نورِ یزدانی

(حصہ اول)

انوبھو کی چوٹی پر وچار دھارا

(۱) پیش لفظ

(۲) دیباچہ اول

(۳) گیانی

(۴) دائمی زندگی

(۵) اصلی روحانی مذہب

(۶) تین خاموشیاں

(۷) شبد وچار

(۸) بزم عرفان

برہمانڈ نایک
مرکز انسانیت و تخلیق

دین پریم

دنیا ایثار نفسی بے خوفی

مالک کائنات

حضور معلّی کے چرنوں میں استتی

چھند

…نیہ دھنیہ گورو دیو دیا ساگر دھنی بخشا سرت شبد بھید کیا دل کا غنی
…ن کمل کی دھور آنکھ میں جب ہی لگائی کھلا ان کی نج ہردے میں سکھ سمپت پائی
…س کنول دل میں کیا جوتی کا درشن گھنٹا شنکھ کی ناد کا ہوا سہج ہی شرون
…ت نال کے پار چڑھ ترکٹی پد پرسا ستی اوم دھن گھٹ ہی میں اونکار جو درسا
…ن جہاں سن وسم در مانس اسنانا ہنس گتی جب پائیا چنا موتی گیانا
…شبد جہاں گپت ہیں بانی اتی نرمل اودھکاری کوئی سنتے ہیں سرت کا بل
…ور گپھا کے مدھیہ میں مرلی دھن گاجی سن سن سورت ہرکھی ہوئی من میں اجی
…ہنگ سے پرچا بھیا سوہنگ گتی پائی اب ہو من نہیں میں پھنسوں گورو کی شرنائی
…ت پد میں ست دھام ہے ست بین کا باجا ست ست کا شبد جام آٹھواں تہاں کا گاجا
…ہ اگم کے پار پار سنتن کا دھاما رادھا سوامی دھام میں ملا اب بسراما
…نیہ دھنیہ تو دھنیہ میں یہ دھنیہ کمائی سہج ہی کٹ گیا جال چھٹا جگ اگما پائی
…ر بھیتر ایک رس نج روپ پسارا پڑ گئے دین دیال دیا موہی آئے سہارا
…دھا سوامی نام کہہ کہہ تاری لاگی سرت شبد کے یوگ سے سرت بھی سمادھی

پیش لفظ

(ضروری)

نور یزدانی (امر جیوتی) کا یہ تیسرا ایڈیشن دیال کے پریمیوں کی نذر ہے
ایڈیشن بہت پہلے مختصراً در اس وقت کی ضرورت کے مدنظر خاص الخاص اف
کے لئے چھپا تھا۔ دوسرا ایڈیشن سن ۱۹۴۳ء میں کسی قدر ضروری اضافہ کے ساتھ چ
گیا تھا اور آج اس کا تیسرا ایڈیشن قدرے ترمیم و توسیع کے ساتھ آج کی ضرور
کے لحاظ سے طبع ہوا ہے۔

نور یزدانی کا دوسرا ایڈیشن عرصہ ہوا ختم ہو گیا۔ اس کے لیے سینکڑو
پریمیوں کی درخواستیں دیال بھنڈار کو وصول ہوتی ہیں۔ پریمیوں کے MAND
پر مجھے اس کا تیسرا ایڈیشن نکالنا پڑا اور اس کی لاگت میں مجھے اپنی گرہ سے بھی خ
کرنا پڑا۔

دنیا والو! پریم کی راہ و رسم ہر قدم پر قربانی چاہتی ہے۔ جب تک نہ دو
تب تک تم کو تمہاری زندگی کا جوہر ہاتھ نہ آئے گا۔ زبانی جمع خرچ نہ کبھی کسی
کام آیا نہ آسکتا ہے۔ کسی ایک خیال کو اپنا مطمح نظر بنا لو۔ یا تو دین و دنیا کے مخم
میں ہی الجھے رہو یا پھر پیار تھہ اور فضل کے طریق پر چلو۔ ان دو میں سے کسی کا

اپنا آئیڈیل یا معراجِ تمنا بنالو۔ کون کہتا ہے کہ دنیا چھوڑ دو۔ دنیا دار بنو دنیا کرو۔ دنیا داری کرو۔ ضرور کرو۔ نہ کروگے تو اگلا قدم کیسے سمجھ پڑے گا۔ لیکن ایسے دنیا دار نہ بنو کہ تم کو اُبھرنے ہی کا موقع ہاتھ نہ آئے۔ سوارتھ کے ساتھ پرمارتھ کا خیال بھی رہے۔ سوارتھ اور پرمارتھ قدرت میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جس کا سوارتھ بگڑا اس کا پرمارتھ بھی گیا۔

الجھنیں بے شمار ہیں۔ ایک سے چھٹی ملی نہیں کہ دوسری آ کھڑی ہوئی۔ اور وہم کے شکار کو بھرم کے پھندے میں پھانس لی۔ کوئی راہ نجات سوجھتی نہیں بلکہ دھیرے دھیرے سچے راستہ (راست + ہ = راستہ) کی تلاش و جستجو کی طرف سے بھی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور توجہ بھی چلی جاتی ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف اپنا ہی گلا کٹوا لیتے ہیں بلکہ اپنے وجودِ محض سے اور دل کا بھی گلا کاٹنے اور کٹوانے کا اہتمام کرتے رہتے ہیں اور مایا اور کال کا پرپنچ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اپنی توجہ کو بناؤ۔ بگڑی کو سدھارو اور توجہ کے بنانے کی مشق کرو۔ تلاش کرتے چلو۔ ایک نہ ایک دن تمہاری لگن سچے رہبر کا درشن تم کو کراوے گی۔ دل کے مضمون کو سمجھو۔ دل کی گھر شت کرو۔ یہ دل ہی تمہارا پہلا اور اصلی رہبر ہے جو تم کو کسی SUPER CON CIOUS واجب الوجود ہستی سے ملا دے گا۔ یہ ہستیاں عنقا نہیں ہیں۔ ڈھونڈھو پاؤ گے۔

مَن کے اونچے سے اونچے گھاٹ پر سدا براجمان رہنے والے سنت مہاتما تم کو زندگی کے صحیح اور موزوں راستہ پر ڈالنے کا جتن کرتے ہیں۔ ان کی باتوں کو گرہ میں باندھو۔ وہ تم کو تمہارے مزاج سوبھاؤ اور موزونیت کے موافق ہی

راستے سے لگا دیں گے جس میں تمہاری اپنی بھلائی، تمہارے اپنے اخلاق کی درستگی اور تمہاری اپنی خوشی، شانتی اور سلامتی کا اہتمام ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا چاہتے ہو۔ سوچ دیکھو۔ دنیا میں آئے کسی خاص کام کو انجام دینے لگے جو کام ہاتھ میں لو اس کو پورا کرو۔ بیچ ہی میں اٹکے رہو گے تو نتیجہ پریشانی اور حیرانی کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہے۔ بیج بوؤ گے ببول کا اور پھل آم کا کھانے کی خواہش رکھتے ہو۔ ایسا کبھی ہوا نہ ہوگا۔

وقت ہے۔ سنبھلو۔ سنبھالو۔ سنبھالا لو۔ اپنے آپ کو موج کے حوالہ کر دو من کی موج کے نہیں قدرت کی موج کے۔ قدرتی زندگی بسر کرو۔ نیک کام نیک خیال اور نیک قدم اٹھانے کی ہر وقت تم کو سوجھ بوجھ رہے۔ چلو چلو چلو چلتے رہو۔ رکنے کا نام نہ لو۔ چلو۔ سنبھل کر چلو۔ دائیں بائیں آگے پیچھے کا خیال رکھ کر چلو ایسا نہ ہو کہ تمہارا غلط قدم تمہاری اپنی اور اپنے ساتھ دوسروں کی لٹیا بھی ڈبو دے۔ صبر استقلال ہمت اور اعلیٰ ظرفی سے کام لو۔ بات بات پر نہ بگڑو۔ بات بات پر الجھن میں نہ پڑو۔ بات بات میں نہ لات لگاؤ نہ لات کھاؤ۔ تمہارا ہر قدم زندگی کے اونچے سے اونچے گھاٹ کی طرف گامزن رہے۔ من ڈانوا ڈول ہو، وہم و اوہام کا مرکز بنا ہوا ہو تو شانتی اور قرار واقعی تم کو نصیب نہ ہوگی اور تم اونچے کی طرف مستقل اقدام نہ کر پاؤ گے اور اچھے برے کی سمجھ اور تمیز بیکار ہو جائے گی۔ من کو پچھلے ماحول میں رہنے کی خواہش ہے۔ اس کو فریب دینے اور دھوکہ کھانے کی سوجھی ہوئی ہے۔ اب بتاؤ کیا جڑ رہی، تمہاری کل رسی کو دھکا پہنچا گئی

یا نہیں؟

ساری مشکل اور سب کچھ آسان دل پر موقوف ہے۔ دل قوی ہے۔ اس میں سچائی نے ظہور کر لیا ہے اور معبودِ حقیقی کی قربت انجذاب اور وصل کی لگن لگی ہے تو تم حقیقی معنوں میں انسان ہو گئے۔ انسانیت ہی زندگی کا اعلیٰ ماحصل ہے۔

سب سے پہلے دل کی گھڑت چاہیئے۔ اس کو معصومیت کے سانچے میں ڈھالو۔ غذائی احتیاط برتو۔ جیسا آن ویسا من۔ جیسی غذا کھاؤ گے ویسا دل بنے گا۔ لطیف غذا دل کو لطیف کرے گی۔ کثیف غذا دل میں کثافت اور گندگی پیدا کرے گی۔ کثافت کا واسطہ تاریک ہے اور لطافت کا روشن۔ روشن روش اختیار کرنی ہو تو لطافت کو دل دو۔

تم ترکِ حیوانات نہیں کر سکتے کیونکہ تم کثیف لذتوں کے دلدادہ ہو گئے ہو۔ دنیا ذائیت کا نام ہے۔ ادنیٰ دول دنی وغیرہ وغیرہ دنیا کے ہم مرادف الفاظ ہیں۔ آج کی دنیا کا یہی حال ہے۔ مٹی پانی کے ظہور سے اس لیئے مٹی پانی کا رگڑا جھگڑا، جنگ وجدال اور ہاہاکار مچا ہوا ہے افسوس! یہ ہاہاکار محض مٹی اور پانی کے لئے مچا ہوا ہے۔ دنیا والو! آنکھ کھولو۔ کب تک مٹی اور پانی کے جھگڑوں میں پڑے رہو گے۔ تمہاری مٹی کثافت اور گندگی کی مٹی نہیں ہے۔ کیوں ناحق اپنی مٹی پلید کر رہے ہو۔ مٹی پانی و آگ کے میل سے پیدا ہوئی۔ پانی کا آگ و ہوا کے میل سے ظہور ہوا۔ آگ ہوا اور نور کے میل سے بنی۔ ہوا آکاش کا جوہر ہے۔

آکاش نور اور کلام، پرکاش اور شبد LIGHT AND SOOND سے ظہور پایا ہوا ہے۔ آواز کائنات کا مفرد جوہر منتہی ہے۔ کائنات کی تخلیق بھی اسی سے ہوئی۔ دیکھو تمہاری منزل کہاں ہے اور تم کہاں جا پڑے۔

افسوس! عمر کا بڑا حصہ کثیف لذتوں میں ہی کھو گیا۔ کثیف لذتوں کو بالآخر ان کی انتہا کو پہنچا دو۔ یہ کام تم کو اسی زندگی میں، جلد سے جلد کرنا ہوگا۔ تب یہ من اشانت ہو جائے گا اور تم کو رس ملے گا۔ کرو جھٹ پٹ کر گزرو۔ مٹی پانی کی اندریوں کے ہی طابع رہو گے تو اس میں تمہارا ہی قصور ہوگا۔ مزہ وہ جو تم کو ایک بار مل جائے بار بار نہ ملے۔ بار بار جو ملتا ہے وہ مزہ نہیں ہوتا۔ اس کا کچھ اور نام دے لو۔ حیوانی غذا حیوانی جذبہ اور حیوانی لذات جنس مخالف کی طرف تمہاری توانائیاں صرف کرا دے گی کیونکہ حیوان خود جنس غیر ہے۔ جنس مخالف کی رغبت کا نشہ اور نشتوں میں تم کو ڈال دیگا اور تم دنیا کی لذتوں میں حیران و سرگرداں ہو رہو گے۔ نہ دنیا کی لذتیں کم ہوں گی۔ تمہاری ہوس کبھی پوری ہوگی۔ آؤ۔ ابھی تم کو عمر طبعی نصیب ہے جھٹ پٹ اپنا کام بنا لو۔ ورنہ جب اندریاں ٹھنڈی پڑ جائیں گی تب تم کسی کام کے قابل نہ رہو گے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے مکھیاں اڑا کرو گے افسوس! وہ حالت کس قدر شرمناک ہوگی۔

افسوس! تم پیدائشی برے نہیں ہو۔ برائی نتیجہ ہے بری صحبتوں کے اختیار کرنے کا یا برے خیالات کو دل میں جگہ دیتے رہنے کا۔ ایک باریک سا پردہ ہے۔ یہ اٹھ جائے تو سلامتی نصیب ہو۔ دل کو برزخ سے ابھار دو۔

اس کے ابھارنے اور ابھرنے کا اہتمام کرو۔ اسکا DOWN FALL تمہارا
اور تمہاری دنیا کا DOWN FALL ہے۔ مالک کہتا ہے میں تمہاری شہ رگ
سے قریب ہوں۔ اس شہ رگ سے قریب اس کا مسند کہاں ہے ڈھونڈھو۔
تم اس مسند نشین کی گود سے نکلے۔ اس کی گود میں اب بھی ہو۔ لیکن بھرم نے
تم کو اس سے علیحدہ بنا دیا ہے۔ دل کو بھرم کا وسوسہ کا گندگی کا نشیمن نہ بناؤ
آج ہم اپنے سینہ کا راز تم کو کھول کر دیتے ہیں۔ تم کو شہ رگ کا حقیقی پتہ
نہیں۔ تم صرف شہ رگ کی زبان زد اصطلاح معمولی طور پر جانتے ہو۔ اس
کو صرف گردن اور گلے کی درمیانی رگ سمجھ بیٹھے ہو۔ اس خیال کی وجہ سے
تم کو عملی طور پر مالک کے فضل سے دوری نصیب رہی۔ بلاشبہ کسی اچانک واقعہ
نے تمہیں چونکا دیا تم نے دو منٹ کے لئے آنسو بہالئے، تمہارے دل کو
معمولی سی ٹھیس لگی لیکن کیا اس سے تم ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئے؟ کیا
تم نے واقعی راہ نجات تلاش کر لی؟ کیا تم نے اپنے طور طریق بدلے؟ کیا تمہارا
لہو لعب چھوٹا؟ کیا تمہارے دل کی شست و شو ہو گئی؟ سوچ کر اور
وچار کر دیکھو۔

عزیزو! دل کی کثرت کی ضرورت ہے۔ یہ کثرت مشاقی اور مزاولت
سے ہی نصیب ہو گی۔ دل کی مزاولت سے فضل و مجاہدہ نصیب ہو گا اور
تم درحقیقت شہ رگ کے کنارے جا لگو گے۔ یہ شہ رگ دراصل دونوں بھووں
کے درمیانی ناکے پر تثلیثی گرہ کھاتی ہوئی دماغ کی چوٹی یا ام الدماغ سے
STRAIGHT LINE میں ظہور کرتی ہوئی گدا جگر تک جاتی ہے اسی

شہ رگ کا دوسرا نام دراصل مذہب ہے جس کو راہِ فقر بھی کہتے ہیں جو سنتوں نے سوجھائی ہے۔ یہ راہ فقر کو فضل کا راستہ بھی کہا جاتا ہے۔ جس نقطۂ سویدا (تیسرے تل) پر یہ گرہ کھاتی ہے وہی تمہاری توجہ اور مجموعی طاقت کا مرکز ہے۔ اس سے اونچے سرور کائنات یا برہمانڈی من اوم یا اللہ کا مسند ہے۔ اگر تمہارا شغل درست ترکیب پر جس کو صرف سنت یا فقیر ہی جانتے ہیں منحصر ہے تو تمہارے لئے فضل کا راستہ علیم و معقول کے ساتھ کھل جاتا ہے ورنہ یا تو تم مجذوب ہو کر برباد ہو جاتے ہو یا پھر تم میں دہریہ پن آجاتا ہے۔ مجذوبیت یا دہریہ پن کال اور مایا کے تحت ہیں۔ کال اور مایا کی یہ رگدار راہیں مرکزی طور پر فراز ہو کر بالآخر اپنے اپنے کنوں پر ختم ہو جاتی ہیں۔ آگے راستہ بند ہے۔ فضل کی راہ ابتداء میں کن سے شروع ہو کر یعنی چھوٹا زاویہ بنا کر آگے آگے فراز و فراز تر ہوتی جاتی ہے۔ تمہاری توجہ اسی راہِ فراز پر چل کر اس مالکِ کون و مکان کی زیارت کرتی ہے جو کہتا ہے میں تمہاری شہ رگ کے قریب ہوں۔ تب تم کو عین الیقین ہوتا ہے۔ تم اس مالک کے نور یزدانی کی کششی کرنوں سے خود کھنچ جاتے ہو اور ایک دن تم کو حق الیقین کی حالت نصیب ہو جاتی ہے۔

مالک کے فضل کی بھیک باہر آسمان کی طرف نظروں کو گاڑ کر کیوں مانگتے ہو۔ اس کا فضل باہر بالراست نہیں ہے اور نہ بالراست باہر سے تم کو ملے گا۔ تمہارے من میں پریرنا ہوتی ہے۔ اس پریرنا کی دھار

من سے نکل کر جو سنکلپ اٹھاتی ہے اسی سنکلپ کے موافق نیچر تمہارے DEMAND کی نوعیت کے لحاظ سے تم کو شئے مطلوب مہیا کرتی ہے۔ نیچر معصوم محض ہے۔ اس کو بھلائی یا برائی سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہارے اندر جس قسم کا خیال آئے گا اسی قسم کی لہریں نیچر میں رل مل کر تمہارے ماحول میں اپنا ظہور کرتی ہیں۔ تم اپنے جذب دل سے خود بخود قدرت کے بھنڈار سے جو لینا ہے لے لیتے ہو۔

کیوں باہر کی طرف نظر ہے۔ اپنی توجہ کو باہر سے موڑو اندر کی طرف رجوع کرو۔ سننا دیکھنا اور بولنا اندر ہی کا عمل ہے۔ اندر ہی ان کے مرکز ہیں اندر ہی سے تم باہر کی طرف ان کا عمل کرتے ہو۔ یہ تثلیثی عمل چونکہ اندر سے باہر کی طرف زیادہ سے زیادہ ہو رہا ہے اسی لئے تم کو اندرونی راحت و سکون نصیب نہیں ہے۔ ان کو جس طرح باہر کی طرف پھینکتے ہو اسی طرح اندر کی طرف بھی کھینچ کر واپس لاؤ اور ان کو ان کے مرکز پر ٹکاؤ۔ تب تم میں یکسوئی اور یکرخی پیدا ہوگی اور تم یکسو اور یکرخ ہو کر اس شہ رگ کے مسند نشین مالک کی زیارت کر سکو گے۔ سنتوں اور فقیروں نے بھی یہی تعلیم دی ہے۔

مذہب باتیں بنانے یا باتوں میں الجھنے کا مضمون نہیں ہے۔ وہ تو محسوس کرنے کی چیز ہے۔ کسی شئے کو محسوس تم اسی وقت کر سکتے ہو جب تم میں امتیاز ادراک اور احساس اندرونی طور پر جاگ جاتے ہیں۔ یہ تمہارے روزانہ زندگی کے کاروبار تمہاری اپنی بھلائی اور نجات کے کاروبار نہیں ہیں۔ تم کیا ہو اور کیا بننے چلے ہو اس پر غور کرو۔ کیوں تم ناحق دنیا کی فکر

میں جذب ہو کر تم خود احدیت کا کوہِ نور بننا چاہتے ہو (جو تم خود پہلے سے ہو) لیکن اس سے دور دور رہنے کا جتن کرتے ہو) تو آؤ ہم تم کو اس کی زیارت کرائیں گے اور اس کا ساکشاتکار کرا کے تم کو اس امرجیوتی کا منبع و مرکز ہونے کا ثبوت دیں گے۔

وہ نوریزدانی، وہ امرجیوتی لحظہ لحظہ تمہارے انتریں جگ مگ کر رہی ہے۔ وہ لمحہ لمحہ تم کو اپنا فضل دینے پر اتر رہی ہے۔ غفلت نہ کرو اس امرجیوتی کے نورانی جامہ کے اوڑھنے کا سادھن ابھیاس کرو۔

وہ سادھن کیا ہے؟ کیسے کیا جاتا ہے اور تم کو کیا کرنا پڑتا ہے اس کا پتہ اس لاکھوں برسوں کے سینہ کے راز کے ذریعہ جس کو ظاہر کرنے میں حضور معلیٰ و مقدس داتا دیال نے اپنی خاص الخاص بے شمار تحریروں میں اپنا دل نکال کر تمہارے سامنے رکھ دیا ہے آج ہم اس دل کے راز کو خود داتا دیال کے زیرِ قلم تمہارے حوالے کر رہے ہیں۔ اس سے کام لینا نہ لینا تمہارے مقسوم و محنت پر موقوف ہے۔ تدبیر کرو تقدیر کے پھندے کھلتے کھلتے کھل جائیں گے۔

نوریزدانی کو ایک بار پڑھ کر سمجھ لینا ہر معمولی شخص کا کام نہیں ہے۔ اس کو کم سے کم (۵) بار پڑھو تب بات تمہارے ذہن نشین ہوگی تثلیث میں توحید توحید میں تثلیث۔ اسی تثلیثی توحید کے مدنظر ہم نے کتاب ہذا کو تین حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ انوبھو کی چوٹی پر چڑھا ہوا ہے۔ دوسرا حصہ روحانی اشغال کے بابتہ (۱۶) سبقوں پر اور

تیسرا حصہ روحانی ترقی پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ہر مذہب و ملت پنتھ و طریق و سمپردائے کے نام لیواؤں اور ہر پیشہ و حرفہ کے افراد کیلئے یکساں طور پر ہزاروں سال تک بیحد مفید اور کارآمد ثابت ہوگی اور ایک محقق متلاشی اور مستحق کے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوگی۔

ہدایت ہے کہ اس کتاب کو کسی غیر مستحق کے ہاتھ نہ جانے دیا جائے

گورو سب کا کلیان کریں

لینا ہو سو جلد لے کہی سُنی مت مان
کہی سُنی جُگ جُگ چلے آوا گون بندھان

دھرتی سب کاغذ کروں لیکھن سب بن رائے
سات سمندر کی مسی گُرو گُن لکھا نہ جائے

کبیر سویا کیا کرے جاگ جپے کرتار
اک دن سونا ہوئے گا لمبے پاؤں پسار

کبیر من پنچھی بھیا من مانے تہاں جائے
جو جیسی سنگت کرے سو تیسا ہو جائے

کبیر گورو کے دیس میں بس جانے جو کوئے
کاگا تے ہنسا بنے ذات برن کُل کھوئے

گورو سمرتھ سر پر کھڑے کا ہے کی تو ہی داس
ردھ سدھ سیوا کریں مکتی نہ چھانڈے پاس

کال کرے سے آج کر آج ہے تیرے ساتھ
کال کال تو کیا کرے کال ہے کال کے ہاتھ

سنئے کال شریر میں جار کرے سب دھور
کال سے باچیں داس جن جن پر دیال حضور

دوار دھنی کے پڑ رہے دھکا دھنی کا کھائے
کبھوں دھنی نوازئی جو در چھانڈ نہ جائے

جان بوجھ جڑ ہوئے رہ بل تج نربل ہوئے
کہہ کبیر وا داس کو گنج سکے نہیں کوئے

یاد دلوا دے وِشس گھنا بولے بہت اُپادھ
مون گہے سب کی سہے سمرے نام اگادھ

روڑا ہو رہ باٹ کا تج آپا ابھمان
لوبھ موہ ترشنا تجے تا ہی ملے بھگوان

بہت پسارا جن کرے کر تھوڑے کی آس
بہت پسارا جن کیا وہ تو گیا نراس

من کے متے نہ چالئے من کے متے انیک
جو من پر اسوار ہے سو سادھو کوئی ایک

رات گنوائی سوئے کر دوس گنوایو کھائے
ہیرا جنم امول یہ کوڑی بدلے جائے

کبیر نوبت آپنی دن دس لیہو بجائے
یہ پور پٹن یہ گلی بہُر نہ دیکھو آئے

تند و بھائی

دیباچہ

— نظام کائنات میں دراصل نہ کوئی نئی بات ہے نہ پرانی ہے۔ تم خود نہ نئے ہو نہ پرانے یہ الفاظ صرف نسبتی ہیں۔ ہر چیز قدرت میں لمحہ بلمحہ بدلتی رہتی ہے۔ اسی ردوبدل کے سلسلے میں ہم ہر شئے کو نئی اور پرانی کہنے کے عادی رہتے ہیں۔ ورنہ جو ہے وہ ہے۔ سورج آج برآمد ہوا۔ اپنے نور یزدانی سے سارے نظام کو چمکایا۔ وہ وہی تھا جو کل نکلا تھا مگر رات کے بیچ میں حائل ہو جانے سے جب وہ مشرق سے برآمد ہوا ہم اس کو نیا اور کل کے سورج کو پرانا کہتے ہیں۔ دنیا میں رہنے والے جب بات چیت کریں گے دنیاوی الفاظ دنیاوی اصطلاحات اور دنیاوی طرز بیان کا سہارا لیں گے۔ اس سے چارہ نہیں ہے۔ زمینی مخلوق ہمیشہ زمینی گفتگو سے تعلق رکھے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کسی شئے کو نئی اور کسی کو قدیم کہتے رہتے ہیں۔ ورنہ یہاں اصل میں نہ کوئی جدید ہے نہ قدیم ہے۔

آؤ اسی سورج کے بیوہار سے مفید سبق اخذ کرنے کی کوشش کریں۔ رات اور دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔ چوبیس کو تین سے تقسیم کر دو۔ خارج قسمت آٹھ نکلے گا۔ گویا رات دن کے تین حصے ہو گئے۔ ایک ایک حصہ آٹھ آٹھ گھنٹوں کا ٹھہرا۔ تین حصے کیوں کئے گئے؟ کیونکہ تبدیلی کے کرہ میں تین حالتیں نظر آتی ہیں۔ اُپتی، استھتی اور پرلے۔ یہ برہمانڈ میں بھی ہیں۔ زمین میں بھی ہیں اور تم میں بھی ہیں۔ تم روزانہ بلا استثناء انھیں تین حالتوں سے گذرتے

رہتے ہو۔ جو شئے برہمانڈ میں آتپتی استھتی اور پرلے کہلاتی ہے وہی تم میں جاگرت سوپن اور سوشپتی ہے۔ یہاں بھی وہی نظارہ ہے جو برہمانڈیا برہما کے ثوابت سیارے اقمار اور ستاروں میں ہے۔ یہ بھی تمہاری طرح سوتے جاگتے اور سوشپتی میں جاتے ہیں۔ بات ایک ہے۔ حالت ایک ہے۔ طرز اظہار ایک ہے صرف پیمانہ اور وقت کی وسعت کا فرق ہے اور یہ پیمانہ اور وقت کی حد بندی بھی اصلی نہیں بلکہ وہمی ہے اور اس کا انحصار صرف تمہارے اپنے نقطۂ نگاہ کے مطابق ہے۔ اسی وجہ سے ہم اس کو ہمیشہ نسبتی کہتے ہیں۔ ورنہ اصل میں نہ کہیں ظرف ہے نہ زمان ہے نہ مکان ہے۔ یہ سب کا سب وہم و گمان ہے قدرت میں اس تقیید تیقن تقسیم تشخیص اور صراحت کا اہتمام نہیں ہے۔ مگر چونکہ تم نے اپنے دل میں ایک خاص قسم کا خیال پیدا کر رکھا ہے اس لئے اس کے دل پر حاوی اور مسلط ہونے سے یہ نظارے تم کو اپنی روزانہ زندگی کے چوبیس گھنٹے ، زمینی زندگی کی معیاد اور برہمانڈی زندگی کے دور میں ہر جگہ دکھلائی دیتے ہیں۔ جو دل میں کسی وجہ سے آگیا باہر بھی وہی دکھائی دے گیا۔ تم روز جاگتے ، سوتے اور سوشپتی میں جاتے ہو۔ اس کا تصور ذہن میں قائم ہو گیا۔ اب آگے کی طرف اس کا سلسلہ چل نکلا۔ عقل نے ایک دوسری شق اختیار کی اور اسی جاگرت ، سوپن اور سوشپتی نے زمینی زندگی کے تین اور بڑے بڑے شکل دکھائے اور ان کا نام جنم ، جیون اور مرن رکھ لیا گیا۔ اور یہ تمہاری پیدائش حیات اور موت کی رام کہانی بن گئے۔ تم دیکھتے ہو کہ جاگنا سونا اور سوشپتی میں جانا روزانہ ہوا کرتا ہے۔ اسی کے حساب سے جتنے

جینے، مرنے کا یقین پختہ ہو گیا اور پرکرتی کے مادی طبقہ میں ہر شئے اسی تسلسل کے چکر میں چرخ کھاتی ہوئی دکھائی دینے لگی۔ اب ذرا اور آگے بڑھئے۔ زمینی اور آسمانی نظام میں ان کی موجودگی کا پختہ وہم تو تھا ہی برہمانڈ کے نظام میں بھی اسی سلسلہ کے توارد کا گمان ہوا اور تم نے اپنی استھتی اور پرلے کے مدات خود بخود قایم کر لئے اور لگے بار بار اسی غرقاب کرنے والے بھنور میں غوطہ کھانے۔ جیسا سمجھو گے ویسا ہی ہوتے جاؤ گے۔ یہہ قانون ہے اور قانون بھی کیسا اٹل اور امٹ! آنکھوں پر جس رنگ کی عینک چڑھاوگے ویسا ہی تم کو باہر بھی نظر آوے گا۔ وہی رنگ وہی ڈھنگ یہاں بھی پرتیت ہوگا۔ جو اندر ہے وہی باہر ہے جو باہر ہے وہی اندر ہے کیونکہ باہر کی چیز بھی اندر ہی سے آئی ہوئی ہے۔ اس اقانیم ثلاثہ کے قایم کرنے والے تم آپ ہو۔ کس نے تم کو پیدا کیا؟ کسی نے بھی نہیں۔ کس نے تم کو زندگی کا جامہ پہنایا؟ کسی نے بھی نہیں۔ کس نے تم کو موت کے منہ کا لقمہ بنایا؟ کسی نے بھی نہیں۔ کس نے تم کو جنم مرن یا آواگون کے جال میں پھنسایا؟ کسی نے بھی نہیں۔ تم اپنے کرتا دھرتا آپ ہی تو ہو۔ جاگرت، سوپن، سشپتی کی طرف دھیان دینے سے تم نے جنم جیون اور مرن کے خیال کو پختہ کر لیا اور ذرا آگے بڑھ کر اپنی استھتی اور پرلے کے وسیع پیمانہ پر ہستی کے مدات قایم کر لئے۔ اتنا کرنا تھا کہ تم خود اس خیالی گورکھ دھندے میں آکر پھنس گئے۔ بہت اچھا جیسا کیا اب ویسا بھگتو۔ جیسا کرم ہوا اسی کو بھرو اور بار بار جنمتے مرتے رہو۔ کوئی کیا کرے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ اپنی کرنی پار اترنی۔ دل

سے بھوت کا خیال نکلا پہلے وہ تھا یا نہیں تھا۔ تم نے کچھ بھی سوچا وچارا
نہیں۔ اب بھوت بن گیا۔ نرالی سج دھج کے ساتھ سامنے آگیا اور خم
ٹھونک کر لڑنے کے لئے للکارنے لگا۔ اب جاتے کہاں ہو۔ بھاگتے کدھر ہو
ڈرو سہمو نہیں۔ لڑو اور دل کھول کر لڑو۔ جب پہلوان بنے اور خود بخود
اپنا حریف پیدا کرلیا۔ تو پھر مرنے مارنے جو جھنے اور شپاشپ تلوار چلانے
سے تم کو بچاؤ کب ہے؟

یہ جگت کی پیدائش کا راز ہے۔ نہ کہیں سنسار ہے نہ کہیں دین و دنیا ہی
ہے۔ تم ہو جس نے سب کو بنا رکھا ہے۔ واہ رے بھولے بھالے بہادر! تم نے
بانجھ کو لڑکا دیا۔ تم نے گدھے کے سر پر سینگ جمائے۔ تم نے آسمان پر باغ و
بغیچے لگائے۔ کام تو خوب کیا۔ جو کام ہوا تم سے کسی سے بھی نہ ہوگا اور جب
کام کر چکے تو پچھتاتے کیا ہو؟ اب پچھتائے ہوت کیا چڑیاں چگ گئیں کھیت۔
یہی اقانیم ثلاثہ کا نظارہ اس سورج میں نظر آتا ہے۔ چوبیس گھنٹوں
کے اندر یہ سورج تین روپ بھرتا ہے۔ برہما وشنو مہیش یہ آٹھ گھنٹے
مہیش بنتا ہے۔ ہم اسی بات کو دکھا کر تم کو آخر میں ہم اپنی صدا سنائیں گے
جب رات کے بارہ بجتے ہیں اس کے بعد ہی یہ برہما کا روپ دھارن کرتا ہے
اور تمام دنیا کو پیدا کر دیتا ہے (یہ جگانا پیدا ہی کرنا ہے) اور آٹھ بجے دن تک
یہ برہما بنا رہتا ہے۔ وہ دیکھو پورب کی طرف چمکتا ہوا لال رنگ کا سورج
نکلا۔ اسکی ارغوانی کرنیں برآمد ہوئیں جو اس کی لڑکیاں ہیں۔ ویدک اصطلاح
میں اسی کرن کا نام اُوشا ہے۔ یہ سورج برہما کے روپ میں ان کی طرف دوڑتا

ہے اور ان کے میل سے سرشٹی کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ نادانوں نے وید کی
شاعری کے استعارہ کو نہ سمجھ کر برہما پر لڑکی کے پکڑنے کی تہمت گھڑ دی۔
بات کیا تھی اور کیا سمجھ میں آئی۔ اصلیت کی خبر خاک نہیں اور برائی
کے کھنڈن کرنے پر آتلے۔ جیسے (برہما کے روپ رکھنے والے) سورج میں سے
کرنیں نکلتی ہیں ویسے ہی تمہارے من سے من کی ورتیاں برآمد ہوتی ہیں۔
جیسے سورج اپنی کرنوں کے پیچھے پیچھے دوڑتا ہے ویسے من اپنی ورتیوں سے
مل کر اپنا جگت بناتا ہے۔ ویسے ہی اور اسی اصول کے موافق سورج
بھی اپنی سرشٹی کرتا ہے۔ اگر اُشا سورج کی لڑکی ہے تو تمہارے من کی ورتی
بھی تو من کی لڑکی ہوئی۔ اصلیت کو سمجھو۔ بھٹکے بھٹکے نہ پھرو۔ الغرض یہی
سورج دن کے آٹھ بجے تک برہما بنا ہوا جگت کو پیدا کرتا ہے۔ پھر دوسرا
روپ دھارن کرتا ہے۔ اس روپ کا نام وشنو ہے جس کے ساتھ سنہری
رنگ والی خوبصورت لکشمی رہتی ہے اور وہ کشیر ساگر کے سفید چمکیلے سمندر
میں سیاہ رنگ کے ہزار پھن والے سیس ناگ کی سیج پر لیٹا ہوا جگت کا
پالن پوشن کرتا ہے جس کا دوسرا نام استھی ہے۔ اب سوچو یہ تمام اوصاف سورج
میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ کشیر ساگر یہ سفید دھوپ والی دنیا ہے۔ سیس
ناگ کے کالے پھن سورج کی کرنوں کی مقناطیسی خواہ بجلی کی رنگ کی سیاہی
مائل دھاریں ہیں جن کے سیج پر سورج نواس کرتا ہے۔ سنہری لکشمی سورج
کی طلائی ورتیاں ہیں جنھوں نے ہر چہار طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے اور
دنیا اس کی موجودگی میں قایم اور ٹھہری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یہ وشنو

رودر پی اسی سورج کی لیلا آٹھ پہر تک رہتی ہے یعنی اس کا ٹھہراؤ دوپہر
بعد چار بجے تک رہتا ہے۔ اس کے بعد وہی سورج مہیش یعنی شیو کا
روپ دھارن کرتا ہے جو مہا کال سنگھار کرتا اور سب کا ناش کرنے والا
ہے۔ اس کی بیوی کالی مہا کالی وکرال روپ والی شکتی ہے جو رات
کے رنگ سے مشابہ ہے۔ اس کا وقت ۴ بجے دن سے بارہ بجے رات تک
رہتا ہے۔ اسی مہا کالی کو اُما، چنڈی، پاروتی وغیرہ کہتے ہیں اور اس کے
ہزار ہاتھوں میں ہزاروں اوزار و ہتھیار رہتے ہیں جن کی مدد سے وہ سب
کو خاموشی اور سکوت کی حالت میں واپس جانے کو مجبور کر دیتی ہے اور ساری
دنیا بیخبری، بے چینی اور بے بسی میں آجاتی ہے اور چونکہ اسی کے پیٹ سے پھر
جگت پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے شیوجی آدکرتا اور پاروتی یا اُما آدی ماتا کہلاتی۔

اوپر کے بیان میں سورج کے تین روپ تین حالتیں اور تین نام دکھا
دئے گئے۔ وہ ایک بھی ہے اور ساتھ ہی تین بھی ہے۔ ایک میں تین اور تین میں ایک
کا نظارا ہے۔ جس طرح تم لڑکے، جوان اور بوڑھے ہو کر کام کرتے ہو وہی نقشہ
چوبیس گھنٹوں کے اندر اس میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ کہنے کو تو ہم نے الگ
الگ وقت میں تم کو اس سورج کے تین روپ دکھائے۔ مگر تینوں روپ اس
میں ایک ہی وقت میں بھی رہتے ہیں اگر اور تفصیل کے ساتھ بات کہی جاتی ہے
تو شاید تم میں سے بہت آدمیوں کے سمجھ میں نہ آوے اور پریشانی نتیجہ ہو۔
اس لئے اس موقع پر اتنا ہی کافی ہے۔

یہ سورج جو تم کو اپنے سے جدا نظر آتا ہے حقیقت میں تم سے جدا نہیں

ہے۔ بلکہ تمہارا اپنا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہ محض خیالی ہے۔ خیال نے حرکت کھا کر معنوعی صورت اختیار کی اور اس گولے سے کرنوں کی دھاریں راگ اور دویشیں کے کھینچنے والے اور دور ہٹانے والے برتنوں کو لے کر آگے کی طرف بڑھیں اور ان سے یہ تمام کرے سیارے معہ اپنی طرح طرح کی مخلوق کے بنتے گئے جو اصل و نسل میں ایک ہیں۔ صرف جز بین نگاہ میں جدا جدا نظر آتے ہیں جس طرح من اپنی ورتیوں سے ملکر تمہارے دل کے اندر خیالی رچنا کرتا ہے جس طرح تم اپنی استری کے ساتھ ملکر بیٹے بیٹی پیدا کر کے ان سے اپنے آپ کو جدا سمجھتے ہو حالانکہ وہ سب تمہاری ہی ذات اور تمہاری ہی آتما ہیں، جس طرح ایک بیج اپنے اندر سے ہزاروں شاخ کونپل پتے، پھول پھل اور ہزاروں بیج کی صورت میں اپنے آپ کو منتقل کر دیتا ہے اور سب اپنی جُدی رچنا کے لحاظ سے جدا جدا نظر آتے ہیں ویسے ہی تمہارا اپنا من بیج روپ ہو کر ہزاروں قسم کی خلقتیں پیدا کرتا ہے اور سب الگ الگ پرتیت ہوتے ہیں۔ یہ علیحدگی صرف خیال محض ہے۔ ورنہ یہ سب تم ہی تو ہو۔ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ مگر بات اتنی لطیف و مشکل ہے کہ اگر تم کو ہم سمجھائیں بھی تو کیسے سمجھائیں۔ تم اس طرح سمجھو جیسے خواب کی حالت میں سپنے دیکھتے ہوئے تم اپنے لئے ماں باپ بیٹے سورج چاند سب اپنے ہی اندر پیدا کر لیتے ہو اور محض خیال کرنے کی وجہ سے ان سے جدا رہتے ہو اور وہ تم سے جدا معلوم ہوتے ہیں۔ ویسے ہی اس جگت کے تمام سورج چاند ستارے تمہارے اپنے خیال کی دھار سے پیدا ہوئے ہیں اور جیسے سپنا کے تمام مخلوق

وغیرہ آنکھ کھلتے ہی تم میں جذب ہو جاتے ہیں ویسے ہی جب گیان کی نگاہ کھل جائے گی یہ برہمانڈ تم ہی میں لے ہو جائے گا۔ جب تک لے نہیں ہوتا اور تم ایک ایک چیز میں لٹکے اور اٹکے ہو تب تک ہی بھرم ہے۔ جب بھرم نہ رہے گا تب یہ جگت بھی نہ ہوگا۔ یہ محض کلپت فرضی من مانا اور خیالی محض ہے۔ ہے نہیں مگر بھاستا ہے۔ اپنی اصلی ہستی نہیں دکھتا مگر دکھائی دے رہا ہے اور دکھائی دے رہا ہے تو بتاؤ کیوں دکھائی دے رہا ہے؟ کیوں کہ تم نے خود اپنا دل اسے دکھایا ہے۔ دل کو ہٹا لو۔ نہ کہیں سنسار ہے نہ جگت ہے۔ سمجھنے کو کچھ تو تم سمجھ گئے مگر سو برس کا کوڑھ ایک دن میں نہیں جاتا اور نہ یہی کہا جا سکتا کہ تم نے اچھی طرح سمجھ لیا خواہ ہم نے اچھی طرح سمجھا دیا۔ ہاں قریب قریب سمجھ کے حاشیہ تک پہنچانے کا اہتمام کیا گیا اور کس نے تم کو اس حاشیہ کے قریب پہنچایا؟ جانتے ہو؟ تمہارے ہی من کی واپس شدہ ورتی نے یہ کام کیا اور اس نے وہ روپ بھرا جس کو تم دیال یا ریال کا ایڈیٹر سمجھ رہے ہو۔ حضرت! کہیں بھی تو کیا کہیں۔ یہ ایڈیٹر بھی تمہارا اپنا ہی روپ ہے اور اس پر کیا موقوف ہے سارا برہمانڈ تمام سیاسی کاروبار۔ مداجا۔ پرجا اہلکار سب تمہارے ہی من کی ورتی کے الٹ پھیر کے تماشہ ہیں۔ ہستی ایک ہے۔ اس کے طرز اظہار میں تعدد اور توارد کے بے شمار مدارج ہیں۔ اس کی نرم کو کچھ دور چل کر خبر پڑے گی۔ ابھی تو تم ہم کو الگ تھلگ مان رہے ہو۔ مانو۔ کچھ دن اور سہی۔ کیا مضایقہ ہے! اگر یہ خیالات جو اس دفعہ تم کو دیے جا رہے ہیں تمہارے اپنے نہ ہوتے تو دل پر اثر نہ کرتے۔ اگر ان کو تم ذرا بھی سمجھتے بوجھتے

ہو تو خیال رہے کہ یہ تمہارے من کی عکسی دھاریں ہیں اور ان کے شیشہ میں تم اپنے ہی من کے خط و خال ملاحظہ کر رہے ہو۔ جو تم ہو وہی ہم ہیں۔ جو ہم ہیں وہی تم ہو۔ خواب و خیال کے تماشے ہیں۔ خیال چکر کھا کر گرہیں بنا کر مختلف شخصیتوں کا سانگ بھر رہا ہے۔ یہ شخصیتیں کیسے بنیں پھر بتایا جائے گا۔ دل کی دنیا دل سے نکلکر دل ہی میں سماتی ہے۔ صرف الٹ پھیر کا معاملہ ہے۔ گورو کی بانی ہے۔

گھٹ سمدر لکھ نا پڑے اٹھے لہر اپار
دل دریا سمرتھ بنا کون لگاوے پار

تم ہی نے ایک خیال کو دل دیا۔ خیالی جگت بنا۔ اس کا تماشہ اور کھیل ہونے لگا اور پھر وہ تم ہی میں سمائے گا۔ جدا وہ اب بھی نہیں ہے صرف کہنے سننے کا موقع ملا ہے۔ موقع سے فائدہ اٹھالو اور بس۔

اگم پنتھ من تھر کرے بدھی کرے پرویش
تن من سب ہی چھانڈئے تب پہنچے گورو دیش

بات سہل ہے اور بات بڑی مشکل بھی ہے۔ سمجھو تو سہل نہ سمجھو تو مشکل سمجھ سمجھ کا پھیر ہے۔ ذرا اپنا انوبھو تو بڑھاؤ۔ پھر دیکھو کیا مزہ آتا ہے۔ ابھی یہ خوشی اور ناخوشی کے مناظر اس طرح بھاگ جائیں گے جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور بانجھ کے گربھ کا بالک! یہ مضمون بحث مباحثہ کا نہیں ہے۔ نہ یہاں بادِ لواد چلتا ہے۔

آ تم انوبھو جب بھیا نہیں ہرش نہ بکھاد

چت دیپک سم ہوئے رہو   تج کر باد بواد

تقریر اور تحریر پر نہ بھولو۔ نہ وید و قرآن کے مسایل پر جاؤ۔ اس آستہ میں سب خاموش رہ جاتے ہیں صرف اپنے انوبھو (احساسی تجربہ) سے کام لو۔

لکھا لکھی کی ہے نہیں   دیکھا دیکھی کی بات
دلہا دلہن مل گئے   پھیکی لگی برات

کہو براتی بننے کا شوق ہے یا دلہن کے بیاہنے کی خواہش ہے۔ اگر براتی بنتے ہو تو تم کو مبارک ہو۔ مگر یاد رہے "براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو" مفت میں مارے مارے پھرو گے۔ ہاں اگر شاہدِ تمنا سے ملنے کی آرزو ہے تب تو کچھ بات ہے۔ وصال، اتصال، دیدار، عرس، ساکشاتکار کا خیال ہی تم کو اصلیت اور حقیقت تک واصل کرے گا۔ صدا سنو۔

صدا*

من مندر میں بیٹھو آ کے   تج من درپن روپ لکھائے
سہس ودتی ہے سہس کنول میں   کچھ دن بسو تم اسی محل میں
تج اس کو ترکٹی میں آؤ   ترکٹی وا دیں چت لگاؤ
اس کے اوپر سن سنھان   پرش پرکرتی تہاں کھیلیں آن
یہ پد دویت بھاؤ سن لیجے   آیا برہم کے گن گن کیجے
دو ودتی کو تج دو بھائی   بھنور گپھا چڑھ سنت پد جائی

---

* صوفی سالک بھائی۔ ان روحانی منازل کی اصلیت اور ان کی معنی کو نہ سمجھ کر صرف لفظوں میں اٹکے ہیں۔ ہم ان کی تشریح کئے دیتے ہیں۔

ست میں روپ انوپ تمہارا　　وہ ہے سُرت شبد کا سارا
ایہہ ایک تا ہی سنت بکھانا　　تہاں بچار کا نہیں ٹھکانا
اگم الکھ کے پار سنائی　　نہیں وہ ایک نہ دو ہے بھائی
رادھا سوامی چرن شرن بلہاری　　جن یہ بچن سنایا پکاری
آپ آپ کو آپ پچھانو　　کہا اور کا نیک نہ مانو

کہنے کو تو سب کچھ کہدیا گیا۔ مجذوب کی بڑ کی طرح اناپ شناپ جو منہ میں آیا سنا دیا گیا اور اس طرح سناتے اور سناتے رہتے کا ٹھیکہ گویا ہم نے ٹھیکہ ہی لے رکھا ہے۔ اب اختصار کے ساتھ اس ہی کے ذیل میں دو باتیں بتاتے ہیں۔ (۱) سُرت شبد یوگ کا ابھیاس کر کے من کو نرمل بنا کر چت کی ورتی کا نرودھ کرتے ہوئے سالکوں کے طریق کے موافق روحانیت حاصل کرنے کی فکر میں لگو یا وچار شکتی بڑھاتے ہوئے وچار یوگ (۲) کے سادھن سے سار وستو سمجھنے کی کوشش میں لگو تاکہ اُبھو بڑھتا چلے۔ دو باتیں ہیں تیسری کوئی نہیں ہے۔ کم از کم ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں۔

پہلا طریق تو بہت سہل ہے۔ دوسرا بہت ہی مشکل ہے۔ پہلے کے ادھیکاری ہزاروں مل سکتے ہیں۔ دوسرے کے لاکھوں میں کوئی ایک شاذ نظر آتا ہے اور اس کی نسبت بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ضرور ہی اس جنم میں سچا ساکشاتکار کرے گا۔

اس کا فیصلہ تمہارے اختیار میں ہے۔ وقت کی قدر کرو۔ سمے کو بے کار نہ کھوؤ۔

گیانی

— گیانی کون ہے؟ کس کو گیانی کہنا چاہئیے؟ اور گیانی کی علامتیں کیا ہیں؟
یہ سوال اپنی نوعیت کی نظر سے اس قدر دلچسپ قابلِ غور اور ضروری ہے کہ ہر معمولی تمیز والا انسان ان کے جواب سننے کا خواہشمند ہوگا۔ سوال کرنا آسان ہے۔ جواب دینا مشکل ہے۔ سوال تو ایک بچہ بھی کر سکتا ہے۔ جواب صرف پختہ کار آدمی دے سکتا ہے۔ سوال کرنے والا بچہ بسا اوقات یوں ہی سوال کر بیٹھتا ہے مگر وہ سوال اس کے دل سے نہیں نکلتا۔ عادتاً بچے ہر بات کو پوچھتے رہتے ہیں۔ ان کو جو جی میں آوے کہہ دو اور وہ اُسی جواب سے مطمئن ہو رہیں گے اور مزید سوال نہ کریں گے۔ کیونکہ ان کا سوال دراصل ابھی تک زندگی کا جز نہیں بنا ہے۔ لیکن جو شخص خاص قسم کی زندگی بسر کرتا ہے اور اس زندگی کے متعلق سوال کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہئیے کہ یہ سوال اس کی زندگی کا جز ہے اور وہ صرف جواب کو توجہ کی یکسوئی دل کی یکرخی اور تصور کی متحدہ صورت میں سُنے گا بلکہ جس طرح پیاسا آدمی میٹھے شربت کی گھونٹ کو مزہ لے لے کر لب، زبان اور حلق کے نیچے اُتارتا ہے۔ اسی طرح وہ جواب دینے والے کی باتوں سے لذت لیتا ہوا اُن کو اپنا بناتا جائے گا اور ان سے اصلی فایدہ حاصل ہوگا۔
ایسے سوال کرنے والے کے سوال کے کچھ معنی ہوتے ہیں اور نظامِ قدرت

میں ایسے محقق کے جذبات کی تعظیم کا اہتمام قدم قدم پر ہے اور اس کو ہمیشہ حق حاصل ہے کہ وہ سوال کرے اور جواب سے کسی حالت میں محروم نہ کیا جائے۔ اہلِ مستحق اور ادھکاری کو قدرت کبھی اپنی عطیات سے بے بہرہ نہیں رکھتی۔ وہ مجبور ہے کہ اس کی دل کی فراخی کا سامان جہاں سے ہو سکے تلاش کر کے بہم پہنچائے۔

اوپر کے سوال اگر کوئی شخص اس نیت سے کرتا ہے تو وہ جواب کو بھی سنکر خوش ہو جائے گا اور اگر یوں ہی پوچھتا ہے تو اس کا سوال گوز شتر سے مشابہ ہے جو نہ زمین کا ہے نہ آسمان کا ہے۔ اُسے کیا جواب دیا جائے اور وہ سمجھے گا کیا۔

گیانی وہ ہے جو گیان سروپ ہو۔ گیان سُروپ کو گیانی کہنا چاہیئے اور اس کی علامت یہ ہے کہ وہ گیان سروپ ہو۔

لو۔ جواب دیدیا گیا۔ مگر کیا اس جواب سے کسی کی تشفی ہو سکتی ہے؟ کبھی نہیں۔ ہاں ان کی تشفی اور تسلی بے شک ہو جائے گی جو گیان رُوپتا کے سادھن میں ہیں جو گیان کی مراد کو سمجھتے ہیں اور ان کو معلوم ہے کہ گیان چیز کیا ہے؟ جن کو گیان کی سمجھ نہیں ہے وہ گیانی کو کیا اور کیسے سمجھیں گے اور اُن کو کوئی سمجھا کیسے سکتا ہے۔ جب تک سوال، سایل کی زندگی کا جز نہ بن سکا ہو تب تک ہر طرح کی گفتگو لاحاصل ہے۔ جواب اصل میں سایل کے دل ہی میں رہتا ہے۔ صرف ایک باریک اور لطیف پردہ پڑا ہے جس کی وجہ سے وہ نفس مراد کے سمجھنے میں غلطی کر رہا ہے اور جہاں اس کے محقق دل کی سوالی دھار جوا-

دینے والے کی خیالی دھارے سے ملکر ہم آہنگی اور موافقت کا درجہ حاصل کرے گی وہ اس طرح وجد بیخودی کا سرور اور مستی کی حالت میں خود بخود آ جائے گا۔ جس طرح مخمور آدمی اپنے آپ کو کھو کر عجیب و غریب لذت سے شاد کام ہو رہا ہو۔ میرے پاس بہت آدمی آیا کرتے ہیں کوئی نہ کوئی سوال لے کر آتے ہیں میں سب کو جواب بھی دیتا رہتا ہوں۔ جیسے لوگوں کی عادت سوال کرنے کی ہوتی ہے ویسے ہی میری عادت بھی جواب دینے کی پڑ گئی ہے۔ مستحق محقق فایدہ حاصل کرنے کی غرض سے سوال کرتے ہیں اور میں ان کو فایدہ پہنچانے کی غرض سے جواب دیا کرتا ہوں۔ نظام قدرت میں اُن کو سوال کرنے کا حق ہے اور قدرت نے مجھے اس زمانہ میں اُن کے جواب دینے کے لئے تیار کرکے بھیجا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ کبھی کبھی بعض بعض سایل اشارہ ہی کو پاکر خوشحال اور مست ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی کوئی سایل جواب کی اہلیت اور نکتہ کو نہ سمجھ کر اداسی طرح کی حالت میں نظر آتے ہیں۔ اس مختلف الحالی کا سبب وہی ہے جو اوپر بتا دیا گیا ہے۔

گیان کیا ہے؟ معمولی آدمی تو جاننے سمجھنے اور پہچاننے دیکھنے سننے چکھنے چھونے وغیرہ کو گیان کہے گا۔ اس کو صرف اتنی قدر سمجھ ہے کہ وہ گیان کو علم کہے۔ دوسرا شخص جاننے کے قابل سمجھنے کے قابل، دیکھنے سننے چھونے اور چکھنے کے قابل شئے اور مضمون کو گیان سمجھتا ہے کیونکہ اس کے ذہن میں اس کے سوا اور کوئی بھی گیان نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ آنکھ، ناک، کان وغیرہ گیان اندریاں کہلاتے ہیں اور اسی سبب سے خود شاستر والے ان کو گیان اندریہ

یعنی گیان کے اوزار اور گیان کے سادھن بتاتے ہیں تو پھر ان کا علم گیان کیوں نہ کہلائے گا۔ اسی طرح عالموں پنڈتوں اور محققوں کی تحقیقات تجسس اور تفتیش کا مضمون بھی گیان کہا جا سکتا ہے اور درس تدریس کے معمولی نظام میں بھی گیان کی سمجھ اور گیان کی حیثیت صرف اس قدر تسلیم کی گئی ہے اور ان کی نظر اس سے زیادہ آگے نہیں جاتی۔ آج کل کے بڑے سے بڑے فلاسفر اور ہوشیار سے ہوشیار سائنس اور حکمت داں یہاں آکر ٹھہر جاتے ہیں اور اس سے آگے بڑھنا نہ صرف اُن کے لیے مشکل ہے بلکہ وہ آگے بڑھنے اور بڑھانے والے دلی جذبات تک سے محروم ہیں۔ میں ان کو ابھی گیان کے مدرسہ کا ابجد خواں بچہ سمجھتا ہوں۔ امریکہ کے صاحب دماغ موجد اور جرمنی کے ہوشیار عقلاء کی اختراعی اور بدیعی ذہانت چاہے اوروں کی حیرت اور استعجاب کی باعث ہو مگر میں ان کو طفل مکتب ہی کا نام دیتا ہوں۔ یہ سچ ہے میں اُن جیسی ایجاد نہیں کر سکتا اور نہ اُن کے جیسے دماغ رکھتا ہوں مگر انھیں گیان کے مدرسہ کا بچہ سمجھتا ہوں کیا یہ جھوٹ ہے؟ کیا یہ دعوے باطل ہے؟ لوگ تو ایسا ہی کہیں گے اور اب بھی ایسا ہی کہتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ میں بچوں جیسا بھی تو کام نہیں کر سکتا بچے تو الگ رہے۔ مجھ میں چیونٹیوں کی محنت ابابیل کی صنعت اور کویل کی نغمہ خوانی کی لیاقت بھی نہیں ہے مگر میں انھیں جانور ہی جانتا ہوں۔ اس سے زیادہ ان کی تعظیم منظور نہیں ہے۔ بڑ کے درخت کی مضبوطی، ہمالہ کے پتھر کی سختی، خوش نما پھول کی رنگینی مجھ میں نہیں نظر آتی مگر میں ان کو نباتات جانتا ہوں۔ اس سے زیادہ کی وقعت میری نظروں میں نہیں ہے۔ اسی طرح آسی

فقط خیال کے مواقف میں آج کل کے ایک دو نہیں بلکہ قریب قریب تمام اہل حکمت اور اہل فلسفہ کو گیان کے مدرسہ کا ابتدائی بچہ ہی تسلیم کرتا ہوں۔ اس سے زیادہ انہیں عزت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

ان میں سے کسی کو گیان نہیں ہے۔ وہ گیان کے منزل سے ابھی کوسوں دور ہیں۔ ان کو سب کا علم ہو مگر اپنا علم نہیں ہے۔ وہ با عزت، با حکومت، با ثروت، با رسوخ اور با اقتدار ہیں۔ اس سے مجھے انکار نہیں ہے۔ مجھ میں یہ سب اوصاف نہیں نظر آتے۔ میں اس کا بھی اقرار کرتا ہوں اور کر چکا ہوں۔ مگر یہ میری نگاہ میں لڑکے اور ابجد خواں بچے ہیں۔ ان کی فوق البھڑک حالت کبھی میرے رشک اور حسد کی باعث نہیں ہوتی کیونکہ جس طرح میں طاؤس (مور) کے پروں کی خوبصورتی اپنے میں نہیں پیدا کرنا چاہتا جس طرح میں بڑ کے درخت کی درازیٔ حیات کا شیدائی اور سودائی نہیں ہوں اسی طرح ان کے سائنس اور فلسفہ کی طرف بھی میری نظر نہیں ہے۔ بچوں کی بچگی بچوں کو مبارک ہو۔ تجربہ کار دیرینہ سال عمر انسان کبھی اپنی پختہ کامی کی حالت کو بچوں کی چستی اور چالاکی کے ساتھ تبادلہ کرنا پسند کرے گا۔ گیانی کی حیثیت دنیا میں سب سے زیادہ وسیع ہے۔

گیان اصلی شئے ہے۔ باقی سب نقلی ہیں۔ نجومی ستاروں کے علم کو گیان بتائے گا۔ مہندس ہندسہ کے علم کو گیان کہے گا۔ بھگت بھگتی کے مراد کو گیان سمجھے گا مگر ان میں سے کسی کو بھی گیان نہیں ہے۔ گیان کا مرحلہ ابھی بہت دور ہے۔

آخر یہ گیان کیا ہے؟ اس گیان کی تشریح، تفسیر، تصریح اور توضیح بہت مشکل ہے

میں اسے اچھی طرح ذہن نشین نہیں کرا سکتا اور تاوقتیکہ کوئی گیانی کی صحبت میں رہ کر
گیانی جیسے جذبات اپنی ذات اور اپنے جسم و صفات میں نہ پیدا کر لے وہ میرے
اشاروں اور رمز و کنایوں کو کیا سمجھے گا! اور میں کس طرح اُسے سمجھا سکوں گا!

دنیا کے کتب خانہ میں اُپنشد بہت قدیم کتابیں ہیں۔ یہ اس گیان کی طرف اشارہ
کی انگلی اٹھاتی ہیں اور ایسے زوردار پیرایہ میں خیالات کا اظہار کرتی ہیں کہ اور کہیں
کسی کی تحریر میں اُن کی مثال نہیں ملتی۔ یہ کتابوں کے سیلاب کا زمانہ ہے۔ انسان
کے دماغ کے ابخرات اُٹھ اُٹھ کر بادل بنتے ہیں اور قلم کی روانی کے ہوا کے جھونکے
کھا کھا کر کاغذ پر پریس کتاب وغیرہ کی شکل میں ہر چہار طرف چھم چھم برس رہے ہیں۔ اُن
کے امڈتے ہوئے پانی کا سیلاب مست اور جھومتے ہوئے ہاتھیوں کی سیاہ قطار
کی طرح ظاہری علمی ہمالیہ کے مرتفع طبقات کے نیچے اترتا ہوا زور و شور کے ساتھ رواں ہے
جسکو دیکھئے کتابیں لکھنے کتابوں کے پڑھنے اور کتابوں کے پڑھانے کے خبط میں پریشان
ہے مگر میں نے آجتک ان اُپنشدوں سے بہتر کسی کی کوئی کتاب نہیں دیکھی جو اصلیت
یا گیان کا واعظ ہوتی۔ یہ اُپنشدیں کیا کہتی ہیں؟ "اے میتریئی! جس سے سب
کچھ جانا جاتا ہے اُسے کیا کوئی جانے گا اور کیسے جان سکے گا"۔

یہ صرف چند لفظوں کا مختصر جملہ ہے مگر اس میں غضب کا زور غضب کا جوش
اور غضب کا علم بھرا ہوا ہے اگر اسی ایک جملہ کو انسان خوب سمجھ لے تو ابھی اسے گیان
کے متعلق ممکن ہے کہ بہت کچھ بوجھ کا اشارہ مل جائے گا مگر غور کون کرتا ہے اور کس کی
توجہ اس طرف ہے۔

یہ گیان ہے گیان کے آدھار پر تمام علم ہے۔ گیان ہی اصلی شے ہے۔ گیان

مصدر نہیں ہے نہ فصل ہے جو گیان کو علم و دانش کہتے ہیں وہ بیخبر ہیں۔ گیان بطور خود
اس قدر وسیع المعنی اور کثیر المعنی اصطلاح ہے کہ اس کا ترجمہ بھی ابتک دنیا کی کسی
مکمل سے مکمل زبان میں نہیں ہو سکا۔

یہ گیان جسے حاصل ہے صرف وہی گیانی ہے اور وہی گیانی کہلانے کا مستحق ہے
اس کے سوا اور کوئی شخص گیانی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

صدیاں گذرتی ہیں۔ برسوں نظام شمسی کے مدور کرتے چکر کھاتے ہوئے منڈلاتے
ہوئے اپنے اپنے محوروں پر گردش کرتے ہوئے محنتیں کرتے ہیں۔ تب جا کر کہیں ایک
گیانی پیدا ہوتا ہے۔ گیانی کمیاب اور نایاب ہے اور یہی گیانی جب عالم ظہور میں
جلوہ نما ہوتے ہیں تو انہیں کو اوتار کہتے ہیں۔ کبھی یہ اوتار دیوتاؤں کی شکل کے
ہوتے ہیں۔ کبھی سنتوں کے کبھی بدھوں کے وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہ روز روز نہیں پیدا
ہوتے اور نہ روز روز ان کا درشن ہوتا ہے۔

گیانیوں کے وسیع الفاظ میں صراحت کرتا ہوا اب میں سوال کے تیسرے
حصّہ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ گیانیوں کی علامتیں کیا ہیں؟ اور جو لوگ میرے الفاظ
پر غور کریں گے کیا عجب وہ نفس مراد کو ذہن نشین کر لیں گے۔

(۱) گیانی کرم نہیں کرتے۔ یہ الفاظ کیسے مبہم ہیں اور کس طرح غلط فہمی پھیلنے کا
ان کی وجہ سے خطرہ ہے۔ دنیا کہتی ہے جو کرم نہیں کرتا وہ اپاہج ہے اور اس کو
زندگی کا حق حاصل نہیں ہے مگر اس دنیا کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ کرم ہے کیا شئے؟
اُپنشدوں نے کھول کھول کر صاف لفظوں میں بتا دیا ہے کہ کرم اگیان ہے۔ کرم
اندھکار ہے۔ کرم صرف اگیانی اور اندھکار میں پڑے ہوئے جیووں کا خاصّہ ہے۔ کیا

ہم اِن لفظوں کی تشریح کر دیں: "اُپنشدوں کی مراد ہے "جس کو معمولی انسان کرم کہتے ہیں وہ گیانیوں کے ماتحت ہیں۔ گیانی کرم کے ماتحت نہیں ہیں"۔ کرم کے ماتحت غلام ہوتے ہیں۔ غلام نام ہے پابزنجیر قیدی کا۔ وہ کرم کرنے کے لئے مجبور ہے مگر گیانی کو ایسے کرم کی مجبوری نہیں ہے۔ غلاموں کا کام دکھ ہے وہ وقت پر کام کرنے جاتے ہیں۔ روتے ہیں۔ چلاتے ہیں اور پھر بھی نہ اُن کا کام شاندار ہوتا ہے اور نہ شانتی راحت و سرور کا پھل پیدا کرتا ہے۔ ایسے کرم کرنے والوں کے چت میں شانتی نہیں ہوتی۔ گیانی اس جہالت اور نادانی کے کرم سے آزاد ہے کرم تو وہ بھی کرتا ہے کیونکہ دنیا کرم کرنے کی جگہ ہے مگر اس کا کرم اوروں کے کرم سے مختلف ہے۔ کرم نہ کرنا بزدلی دل ہمتی اور اپاہج پنے کی علامت ہے۔ گیانی ان سب مذموم اوصاف سے بری رہتا ہے۔ میں خود کسقدر کام کیا کرتا ہوں مگر میرا کام آزادانہ ہے میں کرم کرتا ہوا اکرمک ہوں اور اکرمک ہوتا ہوا کرم کرتا رہتا ہوں۔ کرم مجھے باندھ نہیں سکتا اور نہ میں کرم سے بندھا ہوا کام کرتا ہوں۔ یہ وجہ ہے جس کی وجہ سے گیانی کو کرم نہ کرنے والا کہا گیا ہے۔ سورج چمکتا ہے۔ پانی بہتا ہے۔ ہوا چلتی ہے یہ سب کرم ہی تو ہوتے ہیں۔ ایسا ہی گیانی کا کرم ہوا کرتا ہے۔

(۲) گیانی اس دنیا کو اپنے سے علیحدہ نہیں جانتا اور نہ وہ مختلف اور متعدد آدمیوں کی ہستیوں کو الگ الگ تسلیم کرتا ہے۔ انسان ایک ہے اور یہ تمام افرادی انسانی شخصیتیں جو تم کو مختلف نظر آ رہی ہیں صرف ایک ہی انسان کے کام کرنے کے اجزا ہیں۔ ہاتھ نے اپنے آپ کو پانچ انگلیوں میں تقسیم کر کے پنجہ کا نام حاصل کیا۔ اسی طرح ایک ہی انسان نے مختلف طور پر ظہور کرنے کے ارادہ سے اپنے آپ کو اس نام

روپ کے جگت میں بے شمار صورتوں اور ناموں میں قایم کرلیا۔ ہاتھ ایک ہے انگلیاں کئی ہیں۔ جسم ایک ہے اعضا متعدد ہیں۔ دل ایک ہی ہے ورتّیاں اور اِندریاں بے شمار ہیں۔ حرکت ایک ہے اور جسم کے ہزاروں رگ و ریشوں میں اس کی کتنی صورتیں ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ دل میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ چاہے جتنی صورتوں اور حالتوں میں اپنے کو قایم کرے۔ اسی طرح ایک ہی انسان نے واحد ہو کر کثرت کا تماشہ دکھایا یہ سب اپنا اپنا الگ الگ کام کرتے ہوئے ایک ہی واحد فردیت ہیں۔ جسم میں آنکھ دیکھتی۔ کان سُنتا۔ پانوں چلتا۔ معدہ غذا کو تحلیل کرتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس کیا تم ان سب کے مجموعہ کو جسم نہ کہو گے؟ اسی طرح پھر کیا وجہ ہے کہ سب آدمیوں کو ایک میں خیال کرکے ایک کا خطاب نہیں دیتے۔

(۳) گیانی اپنے آپ کو ابتدا اور سب کی انتہا سمجھتا ہے "ھُوالاوّل ھُوالآخر" ماضی مضارع حال مستقبل سب اس میں اسی طرح گتھے اور پروئے ہوئے ہیں۔ جس طرح مالا کے سُوت میں بہت سے دانے پُروے اور گتھے رہتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اُس کی ہستی ایک لا ینقطوع سلسلہ ہے جس کا چکر ہمیشہ ہی چلا کرتا ہے۔ نہ اس کا آغاز ہے نہ انجام ہے نہ اس کو قید و بند ہے نہ نجات۔ اسی اپنی ہستی کو وہ پرکرتی قدرت یا مایا کا نام دیتا اور دے سکتا ہے وہ ذاتی حیثیت کی نظر سے ناقابل بیان ہے مگر صفاتی حیثیت کی نظر سے ایک اس قسم کا جوہر بے بہا ہے جو کبھی اپنی چمک دمک دکھاتا ہے اور کبھی اُسے چھپا لیتا ہے۔ چمکتے وقت اس میں سے نور کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکلتیں اور نظام آفرینش کا ذریعہ بنتی ہیں اور نور کے چھپاتے وقت وہ واپس آکر اس میں سما جاتی ہیں اور آفرینش کے

سلسلہ کو کچھ عرصہ کے لئے موقوف کر دیتی ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں ہوتا کہ یہ سلسلہ پھر عالم شہود میں اپنا تماشہ نہ دکھائے۔ بیداری سے خواب اور خواب سے بیداری کی گردش کرنیوالے پہلے سے وہ مشابہ ہے اوپر نیچے داہنے بائیں آگے پیچھے اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ وہ سب کا مرکز ہے اور جو کچھ عالم شہود میں نظر آرہا ہے اسی کے اپنے ظہور کا سامان ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ وہ ایک ہے اور اس ایک سے بے شمار مخلوق پیدا ہو ہو کر بنتی بگڑتی رہتی ہے اور اسی میں آتی اور سماتی ہے۔ سورج سے شعاعیں نکلکر دنیا میں ہزاروں طرح کے کام کرتی ہیں۔ یہ سورج چاند ستارے سب کچھ اسی کے وجود واجب الوجود کے کرشمے ہیں۔ وہ مکمل قانون ہے اور اسی قانون کی مختلف شاخیں دنیا کے تمام علوم کے جزوی شعبے کہے جا سکتے ہیں جو بطور خود مکمل نہ ہو کر اس میں آکر مکمل ہوتے ہیں۔ سوا اس کے اور کچھ بھی مکمل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ وہ سب کی جڑ ہے۔ سب کی جڑ اسی میں ہے۔

جس کو یہ سمجھ ہے اور یہ سمجھ جس کی ذات ہے اور تمیزی خواہ امتیازی خصوصیتوں کا حس فرات ذات کی سمجھ اور سمجھ بوجھ کے اُلجھاؤ میں شک اور گمان تک نہیں ہے وہ گیانی ہے۔

بات مشکل ہے۔ سمجھنا مشکل اور ساتھ ہی سمجھانا مشکل ہے بعضوں کی نظر میں یہ موہوم خیال ہے بعض اسے دماغ کی خرابی کے فتور کے حوالے کریں گے مگر یہ حقیقت ہے یہ سچائی ہے۔ میں موجودہ زندگی میں اپنے آپ کو مخبوط الحواس نہیں پاتا۔ کام کرتا ہوں لکھتا پڑھتا ہوں۔ دوسروں کو میری تحریر کے پڑھنے سے خوشی ملتی ہے اور یہ خیال میرا ہے میں اس کو بطور صحیح واقعہ کے دیکھ رہا ہوں میں

اسے خوب سمجھتا ہوں اور اس کی سچائی میں مجھے نام کے لئے شک شبہ نہیں ہے۔

گیانی ایسا ہوتا ہے۔ گیانی اپنے آپ کو مہر سمجھتا ہے۔ دوسروں کو مہر کی چھاپ جانتا ہے۔ وہ نور ہے دوسرے سایہ ہیں۔ وہ مرکز کا نقطہ ہے۔ دوسرے اس سے نکلے ہوئے خطوط ہیں۔

ویدانت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک شیو۔ دوسرے شاکتک۔ شیو کہتے ہیں "اپنے آپ کو جانو۔ تم خود شیو روپ ہو۔" شاکتک کہتے ہیں۔ "تم شکتی کی اپاسنا کرو۔ بغیر شکتی کے تم کو اپنا علم نہیں ہو سکتا"۔ ایک برہمہ وادی ہے۔ دوسرا مایا وادی ہے مگر برہمہ اور مایا میں بھید کیا ہے؟ جو بھید ہے وہ صرف کہنے کے لئے ہے۔ اپنے آپ کو جاننا اور اپنی شکتی کو جاننا" ایک ہی بات ہے۔ شکتی ہی کو تم روپ ذات اور سب کچھ کہہ سکتے ہو۔

یہ گیانی کا خیال ہے مگر یہاں ہماری مراد واچک گیانی سے نہیں ہے۔ اس کا خیال رہے۔

(۴) "گیانی کسی کی غذا نہیں ہوتا"۔ یہ اس کا چوتھا وصف ہے۔

مگر یہ بھی سخت مشکل مضمون ہے۔ کوئی کسی کو سمجھا دے تو کیسے سمجھا دے! یوگ وششٹ کے قابل تعظیم مصنف نے اپنے ڈھنگ پر اس مسئلہ پر ایسی زبردست روشنی ڈالی ہے جس کو ہم اور کسی شخص کی تحریروں میں نہیں پاتے۔ اگر مکمل اور مطول یوگ وششٹ کے مطالعہ سے طبیعت گھبراتی ہو تو وگیان وششٹ کا مطالعہ کر دیا اسی کا لب لباب ہے اور بہت دلچسپ ہے۔ اس سے اس غذا اور مادیت کا پتہ لگ جائے گا۔ اس دنیا میں جس کو دیکھئے وہی ایک دوسرے کی غذا بنا ہوا ہے۔ تم یگیہ اور ہون کرتے ہو

دیوتا اس کے لطیف بھاگ کو لے لیتے ہیں اور کثیف حصہ تم کو دیتے ہیں۔ تم دیوتاؤں کی غذا ہو۔ تم سمجھتے کیا ہو؟ دیوتاؤں نے تم کو اپنی بار برداری کا جانور بنا رکھا ہے۔ تمہاری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے تم غفلت میں ہو۔ کام تم کرتے ہو اور اس کے پھل کا وارث کوئی اور ہی ہو رہا ہے اور تم ان کی غذا بن رہے ہو۔ دیوتا نام ہے قدرتی طاقتوں کا ورہد آرینک اپنشد میں اس پر بہت کچھ کہا گیا ہے۔ تم خود اوروں کے جانور اور اوروں کی غذا ہوتے ہوئے دوسروں کو اپنا جانور اور اپنی غذا بنا رہے ہو۔ گائے بھینس بیل بکرے بھینسے رات دن کام کرتے ہیں کھیتی کا اناج ان کے جسم کا دودھ اور گوشت پوست تو تم خود چٹ کر جاتے ہو۔ ان کو سوکھا بھوسا اور خشک کھلی دیتے ہو۔ شملہ میں کسی سیاح انگریز کے پاس ایک کتا تھا۔ اس کا گذر کسی ایسی جگہ میں ہوا جہاں کوئی بھی غذا نہ مل سکی۔ دو تین روز تک اس نے فاقہ کیا۔ آخر نہ رہا گیا۔ کتے کی دم کو چھری سے کاٹ دیا۔ آگ میں بھون کر اس کا گوشت خود کھا گیا اور اس دم کی خشک ہڈی کتے کے آگے پھینک دی۔ اسی طرح اس کال کی رچنا میں ہر جگہ یہی ہو رہا ہے۔ سمجھ بوجھ والے اپنے سے زیادہ بے سمجھوں کو غذا بنا رہے ہیں۔ مالک کی غذا اس کا نوکر ہے۔ مہاجن کی غذا اس کے قرضدار ہیں۔ پوجاریوں کی غذا بھولے بھالے مندروں کے یاتری ہیں۔ گوروؤں کی غذا ان کے نادان چیلے ہیں۔ کہاں تک کوئی کہے۔ یہاں ایک دوسرے کی غذا ہو رہا ہے۔ گھاس زمین کی پانس کو کھاتی ہے۔ گھاس کو بکری کھاتی ہے۔ بکری کو انسان کھاتا ہے۔ انسان کو اور انسان کھاتا ہے اور اس انسان کو دیوتا کھاتے ہیں۔ اس بیان میں یہ بات دکھائی جا رہی ہے کہ جس میں ذرا سمجھ بوجھ ہے کم سمجھوں یا ان سمجھوں کو برابر کھاتا چلا جا رہا ہے۔ بیٹے

گوشت خوری کے نام سے چڑتے ہیں لیکن سود خور بنئے اگر بغور دیکھا جائے تو آدمی کا گوشت بلکہ آدمی کے گوشت سے بھی بدتر گوشت کھایا کرتے ہیں۔ وہ کیا کریں کال کی جگت میں ایسا ہی ہوتا ہے اور اس وقت یہی حال رہے گا جب تک گیانی کی حالت نصیب نہیں ہوتی مگر گیان کا ملنا بہت مشکل ہے۔ کتابوں میں اینچ پینچ کی باتیں ہیں۔ دھرم اور دین کو پالیسی سے تعلق ہے سب آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنا الو سیدھا کرتے رہتے ہیں۔

(۵) "گیانی کی نظر صرف ستو اور برہم پر رہتی ہے۔" یہ اس کا پانچواں وصف ہے۔ گیانی نہ کسی مذہب پر طعن کی صدا بلند کرتا ہے نہ کسی کی مذمت اور تردید سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ ہر طریق کی سچائی کی دل سے تعظیم کرتا ہے اور رسمی رواجی جزوی اور فروعی ضابطوں کی طرف نگاہ نہیں رکھتا۔ گیانی کے یہ پانچ اوصاف بتائے گئے۔

ممکن ہے کہ یہ گیانی مکت دشا کو پراپت ہو اور ممکن ہے کہ گیانی اپنے پراربدھ کرم بھوگ رہا ہو۔ دونوں حالتوں میں وہ اسی طرح کا بیوہار کرتا ہوا دکھائی دے گا جو عام آدمیوں سے مخصوص ہیں۔ گیانی اور اگیانی کے بیوہار میں فرق نہیں ہوتا۔ فرق صرف ان کی دلی حالت کا ہوا کرتا ہے۔ گیانی کو سدھی شکتی معجزہ کرامات نمائش اور ظاہرداری سے غرض نہیں رہتی کیونکہ ان سب کو اس نے اگیان کا نتیجہ سمجھ رکھا ہے وہ پراربدھ کو بھوگتا ہوا اپنے کرموں کے سنسکار دگدھ کر رہا ہے اور جہاں یہ دگدھ ہوئے پھر اسے منزل مقصود پر پہنچا ہوا سمجھو۔

دائمی زندگی (۲)

زندگی طلسم ہے یا جادو ہے؟ وہ کیا شئے ہے؟ دنیا میں آکر اور دنیا میں رہکر انسان کتنی مصیبتیں نہیں برداشت کرتا۔ کتنے جور وستم نہیں جھیلتا مگر کون ایسا شخص ہے جس کو زندگی پیاری نہیں ہے اور جو (۱) زندہ رہنے (۲) زندوں میں شمار کئے جانے زندگی کے سمجھنے بوجھنے اور (۳) زندگی کی خوشیوں کو حاصل کرنے کا شایق نہیں ہے۔ کروڑوں کیا تمام مخلوق میں سے ایک بھی تو ایسا نظر نہیں آتا جو زندہ نہ رہنا چاہتا ہو۔ لوگ روز ہماری آنکھوں کے سامنے مرتے ہیں۔ روز دیکھتے دیکھتے ہم سے جدا ہو کر چلے جاتے ہیں۔ یہ موت کا واقعہ ایسا صحیح اور سچا ہے کہ جس کے ثابت کرنے اور یقین دلانے کی کسی کو ضرورت نہیں ہے سب جانتے ہیں سب سمجھتے ہیں کہ دنیا میں مرنا ہوتا ہے اور سب ایک نہ ایک دن مریں گے۔ مگر باوجود اس مشاہدہ اور معائنہ کے بھی اور باوجود عزیزوں اور یگانوں کے مرنے کے بھی کسی انسان کا دل اپنی خاص زندگی کی معدومیت کا یقین نہیں کرتا اور سب چاہیں مر جائیں مگر وہ اپنی موت کے خیال تک کو دل میں آنے نہیں دیتا۔ تم ہماری باتوں پر نہ جاؤ۔ اپنے دل کے پردوں میں گھس کر ذرا غور تو کرو وہ کیا کہتا ہے اور کس بات کا یقین دلاتا ہے۔ کاش اگر اپنے ارد گرد کے مرگ مفاجات ناگہانی موت اور پیرانہ سالی کی موت کو دیکھ کر لوگ اس سب سے زیادہ قابل یقین واقعہ پر یقین رکھتے تو کب ممکن تھا کہ وہ دنیا کے کاروبار میں پھر کبھی جی لگاتے اور ان کو اس کی طرف سے بیراگ اور نفرت نہ ہو جاتی۔ مگر آپ فقیر سے فقیر ہما تما سے مہاتما اور بیراگی

سے بیراگی کو دیکھو۔ چاہے وہ لاکھ زبانی جمع خرچ کے مدات قایم کرتا ہو مگر بھولے سے بھی اپنی موت کے خوف کو دل میں جگہ نہیں دیتا۔ اس سے زیادہ عجیب و غریب اور کیا بات ہو سکتی ہے مذہبی منادی گلا پھاڑ پھاڑ کر دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کی ناپایداری کا اعلان کرتے رہتے ہیں مگر یہ صرف بات ہی بات ہے۔ ان کا اپنا طرز عمل ان کی اپنی زندگی کی مثال اور اُن کی روزانہ زندگی کے بیوہار صاف طور پر دیکھنے والوں کو قدم قدم پر بتاتے رہتے ہیں کہ ان کو خود اپنے مرنے کا یقین نہیں ہے انسان ہی پر کیا موقوف ہے۔ کسی کیڑے مکوڑے کو چھیڑ کر دیکھ لو۔ گو تمہاری نظر میں وہ حقارت کا دکھی معلوم ہو مگر چھیڑنے پر وہ بھی اپنے آپ کو صدمے سے بچانا چاہتا ہے اور مرنا نہیں چاہتا۔ ہر شخص، ہر مخلوق اور قدرت میں ہر شئے زندگی کی خواہشمند رہتی ہے اور باتوں کے بتانے کی ممکن ہے کہ ضرورت بھی ہو مگر یہ قدرتی اصول ہے جو خود بخود سب کے ذہن میں بیٹھ گیا ہے اور ہزاروں مخالفانہ تعلیم بازیوں کے باوجود بھی ذہن سے دور نہیں ہو سکتا۔ ویدانتی تو عام طور پر ہستی دایمی کی صدا سناتے رہتے ہیں۔ ان کے یہاں موت کا ذکر ہی نہیں آتا۔ بودھ نروان میں دائمیت کا پتہ دیتے ہیں سنت اور فقرا کی مکتی کی حالت خود ہمیشہ کی ایک رس زندگی کا پتہ دیتی ہے مسلمان اور عیسائی گو اس طرح کے خیال و عقیدے نہیں رکھتے مگر ان کے یہاں دایمی دوزخ اور دایمی بہشت کا عقیدہ زندگی کی لافانیت اور دائمیت جتاتا ہے۔ اس کی فنا یا معدومیت کا ان کے یہاں بھی نام و نشان نہیں ہے۔

پھر اس سے کیا پایا جاتا ہے؟ اس سے ظاہر ہے کہ جس کو ہم موت کہتے ہیں

اور غلطی میں پڑ کر جس کو فنا اور معدومیت سمجھتے ہیں وہ اصل میں وہ حالت نہیں ہے جس کا ہم کو یقین دلایا جاتا ہے۔ بلکہ وہ محض ایک حالت کی تبدیلی کا نام ہے جس طرح بچپن کے بعد جوانی جوانی کے بعد بڑھاپا آتا ہے اسی طرح زندگی ایک مرحلہ کو طے کر کے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوتی ہے اور یہ تبدیلی کا سلسلہ بہت دنوں تک برابر یوں ہی جاری رہتا ہے۔

کاش اگر کہیں یہی مرحلہ سب کچھ ہوتا تو پھر ہستی کو ہستی کہنا اور ہستی سمجھنا حد درجہ کی غلطی ہوتی اور انسان کے اعمال و افعال کے نتیجوں کا یک دم سے خاتمہ ہو جاتا مگر شکر ہے ایسا نہیں ہے اور اس کے یقین دلانے کے لئے نہ کسی پیمبر کے الہامی سند کی ضرورت ہے نہ کتب سماوی کے حوالہ دینے کی احتیاج ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جو ہر شخص بلا سمجھائے بجھائے سمجھتا بوجھتا ہے اور چاہے وہ مدلل طور پر اپنے دعوے کو ثابت نہ کر سکے مگر دل ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ زندگی کا کبھی خاتمہ ہوگا۔

تاہم ظاہر میں انسان باوجود اس فطرتی یقین کے جذبہ کے ہمیشہ خواہشمند رہتا ہے کہ اس کو ایسے واقعات سے تعلق پیدا کرایا جائے جن کو وہ بطور خود دیکھ سکے

اہل مذہب تو ہمیشہ سے لافانیت کے قایل چلے آتے ہیں اور چاہے ان کا طرزِ بیان اور خیال کا طرزِ اظہار کیسا ہی کیوں نہ ہو مگر وہ مانتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی کسی نہ کسی قسم کی زندگی ضرور باقی رہتی ہے۔ مگر سب تو با مذہب نہیں ہیں۔ دنیا میں ایسے آدمی بھی ہیں جو مذہب کے نام پر تمسخر اڑاتے ہیں اور جب تک کہ وہ کسی بات کو عقل کے ترازو پر نہیں تول لیتے یا آنکہ خود اپنے عقلی قیاس کے گھوڑے نہیں دوڑا لیتے

تب تک کسی چیز کو نہیں مانتے۔ ان کے اطمینان اور غور و فکر کرنے کے لئے ایک بات تو اوپر کہدیگئی وہ یہ ہے کہ جو شخص موت کے بعد کی زندگی پر یقین نہ کرے اس سے کہو اپنی معدومیت ہی کے خیال پر غور و فکر کرے جو بالکل غیر ممکن ہوگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ دنیا میں اس قسم کے واقعات اکثر ہوا کئے ہیں اور اب بھی ہوتے رہتے ہیں جن سے آیندہ زندگی کا پتہ لگتا ہے اور وہ عالم ارواح کی موجودگی کا مضمون ہے جس کا نہ صرف عقیدہ ہی دنیا کی تمام قوموں میں پایا جاتا ہے بلکہ قریب قریب ہر جگہ ایسے آدمی ملیں گے جنھوں نے ارواح کے ساتھ بات چیت کی ہے جن کو ان باتوں کا تجربہ نہیں ہے وہ اس طرح کے یقین کو ضعیف الاعتقادی اور وہم پرستی سمجھتے ہیں اور ہم ان کو اس کے لئے برا بھلا بھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ آدمیوں کے درمیان اکثر ایسے قصے کہانیاں سننے میں آتی ہیں جن میں زیادہ تر جھوٹ کا احتمال رہتا ہے مگر ایسے بھی لوگ ہیں جن کی باتوں پر یقین کیا جا سکتا ہے اور ان کی سچائی شک و شبہ کے ماتحت نہیں کی جا سکتی۔ یورپ اور امریکہ میں تو اسپریچوالزم یعنی علم الروح کے معتقد مردوں کی روحوں سے بات چیت بھی کرتے رہتے ہیں اور جس طرح ہپنوٹزم کو اب ایک طرح کا سائنس بتانے لگے ہیں اسی طرح سپریچوالزم کو بھی بہت سے لوگ ماننے لگ گئے ہیں۔ جو اب تک شک و شبہ کرتے ہیں ان کو موقع ہے کہ وہ ان میں شامل ہو کر اس کا مطالعہ کریں۔ ہم بطور خود تو زندگی کی لافانیت کے ہمیشہ سے قایل رہے ہیں مگر عالم ارواح کی ہستی کو شبہ کی نظر سے بھی دیکھنے کے عادی تھے۔ آخر جب اپنی خاص زندگی میں دو ایک مرتبہ ایسے واقعات دیکھ لئے تو پھر یہ شک و شبہ بالکل جاتا رہا۔ بھوت کے عنوان سے ہماری کسی پچھلی کتاب میں

جو مضمون نکلا ہے ہمارا اپنا چشم دید واقعہ ہے اور گو سوا ہمارے کسی اور نے اس کو نہیں دیکھا تھا مگر اس معائنہ کے نتیجے کے متعلق شہادت دی جا سکتی ہے اور جن کا اس کے ساتھ تعلق تھا غالباً وہ اس کی تائید کرنے سے پہلو تہی بھی نہ کریں گے۔ اسپرچوالزم کے محقق معتقدوں نے یہاں تک اپچ کی لی ہے کہ بات چیت کرنا تو ایک طرف رہا انھوں نے مردوں کی لطیف ہیولانی صورت کی عکسی تصویر تک لینے کا اہتمام کیا ہے جو اور بھی تعجب انگیز حیرت خیز واقعہ ہے۔

ہندؤوں میں آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے یہ خیال مضبوطی کے ساتھ چلا آرہا ہے کہ جیو ایک قالب چھوڑ کر دوسرے کو اس طرح اختیار کرتا رہتا ہے جیسے ہم کپڑے بدلا کرتے ہیں۔ پورانوں میں اس طرح کے قصہ کہانیاں اکثر آئے ہیں جن سے جوگیوں کے با اختیار خود ایک قالب سے دوسرے قالب میں جانے کا پتہ ملتا ہے۔

یہ سب واقعات زندگی کی لافانیت کو ثابت کرتے ہیں اور شاید کچھ دنوں کے بعد ایسا وقت آجائے گا جب عملی طور پر آیندہ زندگی اور زندگیوں کے خاکہ کھینچنے اور ان کے صحیح اور واضح طور پر دکھانے کا موقع ملے گا۔

(۳) اصلی روحانی مذہب

مذہب سب سے زیادہ آزادی بخشنے والی چیز ہے اور ساتھ ہی مذہب سب سے زیادہ پھنسانے والا بھی ہے۔ کوئی مذہب ہو سب کی معراج تمنا نجات، رستگاری، مکتی، موکش اور آزادی ہے۔ آزادی مستحکم بنیاد ہے جس پر مذہب یا مذہب کی مرتفع عمارت کھڑی کی گئی ہے۔ آزادی بہترین نعمت ہے۔ مکتی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی قابل قدر چیز نہیں ہے اور اگر مذہب اس معنی و مراد کے لحاظ سے مکت بناتا ہے تو اس سے زیادہ بڑھ کر مبارک تر اور کیا شئے ہو سکتی ہے۔ برعکس اس کے قید و بند و بندھن کی حالت حد درجہ کی مکروہ، حد درجہ کی مذموم اور حد درجہ کی ناپاک ہے۔ بندھن سے دکھدائی بھی نہیں ہو سکتا اور اگر مذہب کسی معنی و مراد سے بندھن میں ڈالتا ہے گلے میں طوق لعنت پہناتا ہے۔ تعصب، تنگدلی اور کٹڑپن کے دام میں پھنساتا ہے تو اس سے بدتر۔ مذموم تر اور ناپاک تر بھی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ مذہب گیان اور علم و نجات و مکتی کے خیال سے بہتر ہے۔ مذہب اگیان جہالت، قید و بند و بندھن کی نظر سے بدتر ہو جاتا ہے۔ کسی مذہب کی مجلسی حیثیت پر نہ جاؤ۔ ممکن ہے اس کے معتقدین کی تعداد زیادہ ہو۔ ممکن ہے وہ بعض بعض باتوں میں اپنے پیروکاروں کو مجلسی مفاد بھی بخشتا ہو لیکن اگر اس نے متعصب کٹر تنگدل بنا دیا تو مذہب کی جو علت غائی اور اصلی مراد تھی اس سے ہزاروں اور لاکھوں کوس دور پہنچا دیا۔ وہ اس معنی میں بالکل دنیاوی و زمینی ہو گیا اور اس میں دینی و آسمانی

حیثیت نہیں رہی۔ اچھا مذہب صرف وہ ہے جو اپنے پیروکاروں کو آزادی فکر کی دولت بخشتا ہے۔ اگر کوئی دیندار کٹر و متعصب ہے تو مذہب کی اصلی غرض سے گرا ہوا ہے اور اگر کسی دہریہ اور ناستک میں سچی آزاد خیالی اور آزاد منشی ہے تو وہ مذہب کی سچی مراد کے موافق پھر بھی اونچے درجہ کا آدمی ہے۔ بمقابلہ سابق الذکر کے آخر الذکر اچھا سمجھے جانے کے قابل ہے۔ دنیا اس کو برا کہے مگر ہم اس کو برا نہ کہیں گے کیونکہ روحانی جذبات کے لحاظ سے وہ ہم سے قریب تر ہے۔

یہاں اس حد تک پہنچ کر اب مذہب کی مختلف صورتیں ہو جاتی ہیں۔ مجلسی مذہب، سیاسی مذہب، قومی مذہب، شخصی مذہب، ملکی مذہب وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کو بھی تم مذہب کہہ سکتے ہو وہ بھی قابل پیروی اور قابل لحاظ ہیں اور دنیاوی پہلو کے اعتبار سے عزت اور قدر کے لائق ہیں مگر اس خاص موقع پر مذہب سے ہماری مراد صرف اس طریق سے ہے جو روح کو جہالت، اگیان اور اودیا کے جال سے نجات دے دلا کر سچی آزادی اور مکتی عطا کرتی ہے۔ یہ روحانی طریق ہے اور اسی کا نام ہماری اصطلاح میں سنت مت یا مذہب فقرا ہے۔ ممکن ہے اس وقت کم تر آدمی ہماری مراد کو سمجھ سکیں مگر ہم ان کی توجہ کو اس طرف منعطف کرانا چاہتے ہیں۔ وقت آئے گا جب لوگ اس سے زیادہ واقف اور باخبر بنیں گے اور دلی دماغی عقلی اور روحانی جذبات کے نشوونما کے ساتھ اس کی بشارت کو سمجھیں گے اور اس سے اصلی فائدہ حاصل کریں گے۔

سنت مت یا مذہب فقرا کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ کسی مروجہ طریق سے نہ الجھتا ہے نہ دست و گریبان ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی نسبتی حیثیت کو سمجھ کر اور

سمجھا کر ان کے ساتھ ساتھ انسان کے دبے ہوئے اور حالت مجہولیت میں آئے ہوئے روحانی جذبات کے ابھارنے اور حرکت دینے کا اہتمام کرتا ہے۔ عیسائی ہو مسلمان۔ ہندو ہو یا بودھ و جین پارسی ہو یا یہودی وہ کسی کو نہیں کہتا کہ تم اپنا آبائی طریق چھوڑ کر اس میں آؤ بلکہ بہ آواز بلند یہ صدا دیتا ہے کہ تم ان میں پڑے ہوئے بھی اور ان سے تعلق رکھتے ہوئے بھی اگر ممکن ہو تو سنت مت کی روحانی تعلیم سے فیض حاصل کرو اور اپنے مجلسی شیرازہ کو صدمہ پہنچائے ہوئے بغیر بھی اس کی برکت کی وراثت کی بہرہ وری سے شادکام اور نفع یاب ہو۔ ہندو اگر مسلمان ہوا تو کیا اور اگر مسلمان آریہ سماجی ہو گیا تو کیا۔ یہ صرف گلے کی زنجیر بدلنے کا کام ہے۔ ایک بندھن کو چھوڑ کر دوسرا بندھن اختیار کرنے سے فایدہ ہی کیا ہوا۔ آخر تم کو دنیاوی ہستی رکھنے کی وجہ سے کسی نہ کسی مجلس یا سوسائٹی میں تو رہنا ہی پڑے گا۔ پس اس کو جیوں کا تیوں رہنے دو۔ ہاں اگر جی میں آوے تو سنتوں اور فقیروں کی تعلیم سے فایدہ اٹھاؤ۔ یہی سبب ہے کہ سنت مت سرب مت رکشک کہا جاتا ہے۔ اس کو نہ کسی سے لڑائی ہے نہ جھگڑا۔ صرف کام سے کام ہے اور مطلب سے مطلب ہے۔

ممکن ہے تم کہو کہ یہ صرف تمہارا ہی خیال ہے۔ نہیں۔ یہ ہمارا ہی خیال نہیں ہے بلکہ سنتوں اور سچے صوفیوں کا بھی ہمیشہ سے یہی اصول رہا ہے اور یہ زبانی اصول ہی نہیں بلکہ اس پر ہمیشہ سے عمل بھی ہوتا رہا ہے۔ اب بھی اگر تم کو خبر ہے تو سنت مت میں اس وقت تم ہر قوم کے آدمیوں کو شامل پاؤ گے جو اپنے اپنے آبائی طریق کے موافق کام کرتے ہوئے بھی سنتوں کے ست سنگ کا

لابھ اٹھا رہے ہیں۔

حضور مہاراج کی بانی:۔

جو تو گھٹ میں چالن ہار　　چلنے والا سنگ لے یار
روپ رنگ اس کا مت دیکھ　　شردھا بھاونا سنہ پیکھو
جس کو ہے مالک کا پیار　　ہندو اور ترک دو اُو یار

سچے صوفی مولانا روم کا کلام:۔

مرد حجّی ہمرہ حاجی طلب　　خواہ ہندو خواہ ترک و یا عرب
منگر اندر نقش و اندر رنگ او　　بنگر اندر عزم و در آہنگ او
اے بسا دو ترک چوں بیگانگاں　　اے بسا ہندو و ترکی ہم زباں

ذات پات کا یا قومیت کا جھگڑا سنتوں یا فقیروں میں نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی کی مجلسی حالت کو دھکہ پہنچاتے ہیں اور نہ کسی کو مجلسی طریق کے بدلنے کی ہدایت ہی کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرورت ہے کہ ہر شخص فقیروں کے عمل و شغل سے تعلق پیدا کرے اور بس اور اس روحانی تعلیم کا عملی و علمی پہلو اپنی نگاہ کے سامنے رکھے۔ سنت مت کا ماحصل زبانی جمع خرچ نہیں ہے بلکہ اس کے یہاں مذہب خاص قسم کی عملی زندگی بسر کرنے کا طریق ہے۔ سنتوں میں تم جتنے آچاریہ اور گورو دیکھو گے سب نے بلا استثنا، اسی طرح کی تلقین و تدریس فرمائی ہے۔

تلسی صاحب کا کلام:۔

اُتم اور چنڈال گھر ہک دیپک جیا　　تلسی منے پتنگ کے سبھی جوت یکسار

دنیا میں جتنے مذاہب کہ اس وقت موجود ہیں ان کی دو صورتیں ہیں۔ ایک

تو وہ ہیں جنھوں نے خاص قسم کے سدھانت یا اصول متعین بنا کر اپنے آپ کو ان کا پابند کر رکھا ہے اور جو بات اس کے ماننے یا اگر صحیح بھی ہو تو اس کی صداقت کے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ زیادہ تر تعداد ان ہی کی ہے یہ سدھانت بندھ کہلاتے ہیں اور بری طرح اپنے سدھانتوں کی زنجیر کی کڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کو سدھانتی کہتے ہیں۔ سدھانت کے برخلاف نہ تو یہ خود ماننے کے لئے تیار ہوتے ہیں، نہ دوسروں کو اس سے علیحدہ ہونے دیتے ہیں۔ انگریزی میں اس کو (DOGMATIC) کہتے ہیں۔ بحث و مباحثہ کے وقت بے جا بیجا طریق سے اپنے پکش کے مضبوط دکھلانے کا اہتمام کرتے ہیں اور پکشپاتی کہلاتے ہیں۔ ان میں زور و بل زیادہ ہے اور یہ کھینچ تان سے کام لینے میں عیب نہیں سمجھتے یہ زیادہ تر عالموں اور فقیہوں کا مذہب ہے۔ دوسرا طریق اسدھانتی ہے جس کا کوئی مقرر کردہ اصلی سدھانت نہیں ہے۔ جو باتیں کہتے ہیں مبہم اور وضاحت و صراحت سے خالی۔ ان میں اکثر بلند خیال اور سچے آدمی بھی ملتے ہیں جو روحانی نقطہ نگاہ سے ترقی کئے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی باتوں میں اثر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ کمائی کی ہوئی ہوتی ہے۔ اکثر عالموں کا مذہب یہی ہے اور عمل و شغل کی وجہ ان کی بات دلوں پہ چوٹ کرجاتی ہے۔ ان میں تعصب یا ہٹ دھرمی نہیں ہوتی اور نہ یہ بحث و مباحثہ کے میدان میں لڑنے جھگڑنے کے لئے اترتے ہیں۔ ان کے یہاں اخلاقی اور روحانی معقولوں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے اور یہ بھی ان کا وصف ہے کہ منقولات کی طرف سے بے پرواہ اور معقولات کے زیادہ دلدادہ ہوتے ہیں انگریزی زبان میں ان کو (MYSTIC) کہتے ہیں۔ روحانیت ان میں

زیادہ ہوتی ہے اور یہ کئی باتوں میں پیچھے ہوتے ہیں۔ ان ہر دو مذاہب کا مطالعہ ضروری اور اہم ہے۔ اس میں رِند، اودھوت، اکثر صوفی، قزلبین وغیرہ شامل کئے جا سکتے ہیں، جو اپنے فلسفہ کی مراد کو صحیح اور صاف صاف لفظوں میں بیان کرنے سے کتراتے ہیں کیونکہ اب تک ان میں سے کسی نے بھی اپنے خیالات کو صفائی اور وضاحت کا جامہ نہیں پہنایا اور نہ یہ اس کی ضرورت ہی کو محسوس کیا گیا ہے۔

سدھانتی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ متقدمین و متاخرین کی باتوں پر ایمان لاؤ اور اکثر زبردستی ایمان لانے کے لئے مجبور بھی کرتے ہیں اور اسی طریقہ سے اپنے دین کی اشاعت کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان سدھانتیوں میں یہ بدیہی فرق ہے کہ سدھانتیوں میں شمولیت کے لیے یقین و ایمان لانا ضروری چیز ہے۔ مگر اسدھانتی اس کے برعکس اپنے دائرۂ بیعت میں صرف ان لوگوں کو شریک کرتے ہیں جو اپنی فطرتی کشش تصوف کے خمیر اور میلان طبعی کی وجہ سے خود بخود ان کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ان کی مجلسیں ایک طرح کی خفیہ سوسائٹیاں ہیں جن میں عوام کا گذر نہیں۔ صرف خاصان خاص کو ان کی دعوت دی جاتی ہے اور اس وجہ سے ان کی تعداد ہمیشہ کم رہتی ہے اور کم ہونی بھی چاہئے۔ سدھانتیوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ اسدھانتی اکثر ایسا بھی کرتے آئے ہیں کہ سدھانتیوں میں شامل ہو کر اپنے طرزِ عمل کو ان کے مروجہ دین کا پیوند بنا لیا ہے اور اس طرح اپنی ہستی کے قائم رکھنے کی تدبیر نکال لی۔

جو کچھ اصلاحی اور تبلیغی کوششیں وقت پر کی گئی ہیں وہ صرف سدھانتی گروہ میں ہوا کی ہیں۔ اسدھانتی کے یہاں اس کا نام و نشان بھی نہیں

رہا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مصلحتِ وقت کی وجہ سے ڈر کر یا سدھانتیوں کا زور دیکھ کر وہ اپنے طریق کو سدھانتیوں کے بزرگ کے نام کے ساتھ منسوب و مخصوص کر لیں۔ مگر یہ صرف بات ہی بات ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ان کو اس کی خبر بھی رہتی ہے۔ چاہے عام آدمیوں کے طبقہ میں وہ اپنے خیال کے ظاہر کرنے میں تامل اور پس و پیش سے کام لیں۔

سدھانتیوں میں جو ہمیشہ اصلاح ہوا کرتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ سچائی ہمیشہ نسبتی ہوا کرتی ہے۔ جو بات آج صحیح ہے ممکن ہے کل غلط اور جھوٹی ثابت ہو اور اس وجہ سے وقت وقت پر خاص خاص طرح کے متادیپا ہو کر اس وقت کی نسبتی سچائی کا اظہار کر کے قدیم تر عقاید سے ہٹا کر آدمیوں کو اپنی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ وقت آتا ہے جب ان کی بھی تعلیم غلط ثابت ہوتی ہے تب اور کسی معلم کو اپنے خیال پیش کرنے اور اس کی دعوت دینے کا موقع ہاتھ آتا ہے یہ بھی پھر تعصبات اور بطلان کا شکار ہوتا ہے اور پھر اسی سلسلۂ ہدایت کو دوسری صورت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ تم ہماری باتوں پر نہ جاؤ۔ دنیا کی مذہبی تواریخ کا مطالعہ کرو۔ ہر جگہ اس کا نظارہ دیکھنے میں آوے گا۔ ہمیشہ سے کوششیں کی گئیں کہ انسان کسی ایک مذہب پر ایمان لا کر اسی کو قطعی اور آخری سمجھ لے مگر نتیجہ لاحاصل ہوا۔ اکثر اس قسم کے ہادیان دین کی زندگیوں ہی میں متعدد اور مختلف فرقے بن گئے اور مسلمہ اور مصدقہ سدھانت کے برخلاف زور و شور کے ساتھ صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اتنی شقیں اور شاخیں بنتی گئیں کہ جن کی تعداد بتانی بھی مشکل ہو گئی۔ برعکس اس کے اسدھانتی گروہ ایک خاص حالت میں چلا آیا

اور اگر اس میں بھی کچھ رود و بدل کی صورت نظر آ گئی تو یہ سمجھ لو کہ وہ سدھانتیوں کے ساتھ میل ملاپ کے نتیجہ کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ ورنہ وہ جیسا تھا ویسے ہی اب بھی ہے۔

اس عقلی و علمی ترقی کے زمانہ میں اگر تم کسی عقیدہ "ایمان" اور یقین پر اٹکے ہو تو اٹکے رہو۔ اس سے ہٹانے کے لئے جبر کرنا ہمارا آئین نہیں ہے۔ مگر یہ یاد رہے گذشتہ کل کا فیصلہ ممکن ہے آیندہ کل کے فیصلہ کے مطابق نہ ہو۔ تمام مذاہب اور طریق میں خوبیاں ہیں اور نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنا کام کیا اور اب بھی کر رہے ہیں لیکن اگر دل روحانیت پسند ہے اور حقیقت کا خمیر جوش پر آنا چاہتا ہے تو ہمارے دانست میں کم از کم اس کا روکنا غلطی میں داخل ہے۔

سدھانتی اور اسدھانتی گروہوں کے بین بین نقیروں کا طریق ہے وہ سب کچھ مانتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ نہ اس نے اپنے آپ کو کسی خاص سدھانت کا مقید بنایا نہ وہ اسدھانتی ہی ہے۔ دونوں کے تعلیمی پہلو اس کے سامنے رہتے ہیں جن سے تمہارا فایدہ ہوتا ہے اور جن سے دل کو حرکت ملتی ہے۔ ان سے تعلق رکھو اور اگر وہ بے مصرف ہیں تو ان سے کنارہ کشی بھی کر سکتے ہو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ان میں اٹکے رہو۔ ہاں روحانی ترقی کا لحاظ مدنظر رکھنا اس کا اصول ہے۔ جس طرح روح بلند پرواز بنے اس کا عمل و شغل کرتے رہو۔ مثلاً ہندوؤں میں پنرجنم کا مسئلہ صحیح مانا جاتا ہے سنتوں نے اس کا کھنڈن نہیں کیا۔ اگر تم اس کو مانتے ہو تو کوئی ہرج نہیں ہے۔

اگر نہیں مانتے تب بھی کوئی نقصان نہیں۔ ماننے سے نہ ماننا اور بھی اچھا ہے بشرطیکہ تم اسی جنم میں اپنے کام بنانے میں مستعد و ثابت قدم رہ سکو۔ یہاں سدھانت پر کوئی بحث نہیں ہے نہ اسدھانت کی ہی تردید کی جاتی ہے۔ گورو کیا کہتے ہیں سنو۔ یہ نانک صاحب کی بانی ہے۔

جب لگ دیکھو نہ اپنے نینا   تب لگ مانو نہ گورو کے بینا

کیا اس سے سنت مت کے آزاد ہونے کا پورا ثبوت نہیں ملتا ہے کلام صاف ہے نانک صاحب فرماتے ہیں کہ تم صرف ساکشات کرو۔ سدھانتیوں کی طرح محض سنی سنائی باتوں پر نہ جھگڑو۔ نہ اسدھانتیوں کی طرح آنکھیں بند کرکے چلو۔ خود دیکھو اور اس طرح آنکھ اٹھاتے ہوئے تم اپنی روحانی ترقی کرتے چلو۔ ممکن ہے تم کہو کہ فقیروں کے یہاں بھی تو آنکھ کان بند کرنے کی تعلیم ہے

چشم بند و گوش بند و لب ببند   گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

اس کان و لب بند کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے جو لوگ سمجھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔

باہر کے پٹ دے کر انتر کے پٹ کھول

سدھانت میں صرف آدھی سچائی ہے اور آدھی سچائی اسدھانت میں ہے۔ ایک تو اظہار خیال کرتا ہے۔ دوسرا خاموش رہتا ہے۔ تم نہ بولو نہ چپ ہی رہو بلکہ بولو اور چپ بھی رہو۔ دونوں کو ملا کر مکمل کرلو اور اسی سے تعلق دیکھو۔ مشکل ہے کہ ہم یہ بات تم کو کس طرح ذہن نشین کرائیں۔ تاہم کوشش تو ضروری کرنی ہے۔ کیونکہ قال و حال دونوں سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اگر نہیں تو لیتے

تو تم خود ہی جھوٹا کہنے لگو گے۔ یوں سمجھو زبان بولتی ہے اور ساتھ ہی لذیذ لقمہ کو چُبلا چُبلا کر کھاتی ہے۔ یہ اس کا آدھا کام ہے۔ آدھا کام معدہ کرتا ہے جو بولتا نہیں مگر کھانے کو تحلیل کر کے جسم کے ہر رگ و ریشہ میں پہنچاتا ہے اگر زبان چبلاتی ہوئی غذا کو نہ کھائے تو کام نہ چلے اور اگر معدہ خاموشی کے ساتھ غذا کی تقسیم و تفریق تحلیل نہ کرے تو تندرستی تمہارے حصہ میں کبھی نہ آوے۔ دیکھو دونوں باتیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ آدھی بات ادھوری ہی رہتی ہے۔ ایسا پر قانع ہونا درست نہیں ہے۔ حال والے بھی صحیح اور قال والے بھی صحیح مگر ان کے حصہ میں آدھی آدھی سچائی ہے۔ یہ مہاتما جی کا حال ہے۔ سنت فرماتے ہیں۔ تم دونوں کو اختیار کئے ہوئے درمیانی راہ سے چلو۔ تم ہر نظارہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے اس کا لطف بھی اٹھاؤ گے اور مذہب کی مراد زندگی کا مقصد اور روح کی ترقی کا آنند بھی بھوگو گے اس سے زیادہ اور کیا کہا جائے۔

(۴) تین خاموشیاں

شبد شبد سب کوئی کہے۔ شبد کے ہاتھ نہ پاؤں
ایک شبد اَوشدھ کرے۔ ایک شبد کرے گھاؤ
ایک شبد سکھ راس ہے۔ ایک شبد دکھ راس
ایک شبد بندھن کٹے۔ ایک شبد گلے پھانس

انسان کتنا ہی برائیوں بھرا کیوں نہ ہو۔ بھلائی کو پھر بھی برائی پر ترجیح ہی دے گا شیریں کلامی اور شیریں زبانی ہزار ہا درجہ تلخ کلامی اور تلخ بیانی سے بہتر ہیں۔ دنیا بھی ہدایت کرتی ہے کہ اچھا بولو برا نہ بولو۔ مگر شاعر اپنی بے مُری الاپ الاپتا ہوا کیسے زوردار لہجہ میں سنا رہا ہے کہ زبان کو بند کرو اور نہ اچھا کہو نہ برا کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اچھے کہنے سے بھی ممکن ہے کسی کو برا لگے اور اس کی وجہ سے کوئی دکھ پائے۔ نیکی اور بھلائی اچھی ہی سہی مگر ایسے بھی تو ہزاروں آدمی ملیں گے جو تمہاری نیکیوں کو دیکھ کر جلیں گے۔ اگر تم سچ ہی بولتے ہو تو کیا اس سچ سے اگر کسی کی حمایت ہوتی ہے تو دوسرے کی حق تلفی نہ ہوگی! جہاں نفع ہے وہاں ہی نقصان ہے۔ ایک کی مدد کرنا دوسرے کو ضرر پہنچانا ہے۔ یہ دنیا عجیب و غریب جگہ ہے جس کے حیرت انگیز تماشے سوچنے اور سمجھنے کے قابل ہیں کیا خاموشی کی ہدایت کرنے سے شاعر کا یہی مطلب ہے کہ چپ رہنے سے نہ کسی کا برا ہوگا نہ بھلا ہوگا؟ نہیں تم بہت دور نکل گئے بھولے اور بری طرح سے بھولے۔

آؤ۔ اب اس خاموشی کے مضمون پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کریں مگر ہوشیار رہنا غلط فہمیوں میں نہ پڑنا کیونکہ یہاں قدم قدم پر ٹھوکروں کا ڈر ہے صرف معنی و مراد کے جذب کرنے کا خیال رہے۔ لفظوں کے گورکھ دھندوں میں پھنسنے سے پرہیز رہے۔

قدیم زمانے سے رشی مُنی فقیر سادھو مہاتما سب کہتے چلے آ رہے ہیں کہ زندگی کی تین راہیں ہیں۔ ایک بالکل تاریک اور اندھیری جس میں صرف کیڑے مکوڑے چل سکتے ہیں اور چونکہ نہ ان کے سامنے کوئی منزل مقصود ہے اور نہ ان کو مقصد کے سمجھنے کی تمیز ہے اس لئے یہ گھوم پھر کر جہاں کے تہاں پڑے رہتے ہیں۔ دوسری راہ بہت کشادہ ہے۔ اس میں روشنی اور تاریکی دونوں ملی جلی ہیں۔ کہیں روشنی زیادہ ہے کہیں کم مگر ابتدائی منزل میں ہموار راہ کی چکنائی خوش نمائی اور دور دیہ مناظر کے فرحت بخش سامان دل کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور مسافر خواہ مخواہ اس طرف متوجہ ہو جاتا ہے لیکن جوں جوں اس کا قدم آگے کی طرف بڑھتا ہے یہ راستہ نہ صرف تنگ ہوتا جاتا ہے بلکہ روشنی دھندلی پڑ جاتی ہے اور کوئی وقت ایسا آجاتا ہے جب گھپ اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا اور راہ چلنے والا سخت پریشان ہو جاتا ہے۔ اس راہ کو شاستر والے پریے مارگ یعنی پیارا راستہ بتاتے ہیں۔ یہ نفس آوری اور عیش پسندی کا طریق ہے۔ تیسرا راستہ شریے مارگ ہے۔ یہ شروع شروع میں تنگ اور تاریک نظر آتا ہے۔ راہ کی ابتدائی منزل خاردار اور تنگ نظر آتی ہے مگر اس میں یہ مزہ ہے کہ ذرا استقلال، اولوالعزمی اور ہمت کے ساتھ ایک مرتبہ

اس میں داخل ہو جاؤ پھر جو قدم آگے کی طرف پڑے گا وہ ہلکا اور خوش کرنے والا ثابت ہوتا جائے گا۔ تنگی دور ہوتی جائے گی اور راہ چوڑی ہوتی ہوئی ملے گی اور جس قدر تم اس کو طے کرتے ہوئے چلو گے اسی قدر وہ خوشنما اور فرحت بخش ثابت ہوگی۔ اوپر کی دو راہوں کو سادھو پسند نہیں کرتے کیونکہ ان کا انجام بخیر نہیں ہوتا۔ پہلے میں تو چلنے والا مسافر ہمیشہ چقابو کے جنگل میں پھنسا پھنسا رہ جاتا ہے۔ دوسرے میں اوپر چڑھتا ہے مگر راستہ کی تنگی اس کو پھر نیچے اترنے کے لئے مجبور کرتی ہے اور وہ گر پڑتا ہے۔ ہاں تیسری راہ اچھی ہے جو ایک مرتبہ ذرا ہمت کر کے اس میں آیا تو گو پہلے اس کو کچھ تکلیف محسوس ہوتی ہو مگر جلد ہی چلنے والے کو خاص قسم کی خوشیاں اور تفریحیں ملنے لگ جاتی ہیں اور یہی اس کی محنت و مشقت کا صلہ ثابت ہو کر آگے کی طرف بڑھنے کا حوصلہ دلاتی رہتی ہیں اور وہ آخرکار مستی اور پریم سے جھومتا ہوا کسی نہ کسی دن منزل مقصود اور معراج تمنا تک پہنچ ہی جاتا ہے۔

یہ اچھا راستہ ہے۔ اس کے اچھے ہونے میں شک نہیں ہے مگر خطرات سے خالی یہ بھی نہیں ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ پہلے راستہ میں ابتداً سہولت ہے اور بعد کو خرابیاں ہیں۔ اس میں شروع شروع میں تھوڑی سی تکلیف ہوتی ہے۔ بعد کو خوشی نصیب ہونے لگتی ہے اور اسی ابتدائی مصیبت کو ہم خطرہ بتاتے ہیں۔

یہ خطرے کیا ہیں؟ بولنا سننا اور دیکھنا۔ جن میں یہ عادتیں ہوں گی وہ اس راہ میں آنے کے قابل نہ سمجھے جائیں گے اور اگر حرص کی وجہ سے اس میں داخل ہونے کا ارادہ بھی کریں گے تو پھنسانے والی ابتدائی مرحلے کی ناہموار پگڈنڈی کو

دیکھ کر ان کی ہمت جاتی رہے گی اور اس میں جانے کا حوصلہ نہ کر سکیں گے اگر تم زبان سے زیادہ بولتے ہو تو سمجھ لو تمہاری دلی طاقت کا پانی زبان کے سوراخ سے رس رس کر باہر نکل جائے گا ضبط کی عادت نہ رہیگی اور کمزور ہو جاؤ گے اگر تم اوروں کی باتوں کو سنتے ہو تو اُن کے زیرِ اثر آتے جاؤ گے۔ اپنا کچھ نہ رہے گا اور عاریت لئے ہوئے غیروں کے خیالات دل میں جگہ پا کر اُس پر اپنی غلامی پر مہر ثبت کر دیں گے اور تم کہیں کے بھی نہ رہو گے۔ اسی طرح تم خارجی مناظر اور اپنے ارد گرد کے حالات اور واقعات کے دیکھنے کے عادی ہو تو دل کا شیشہ ان کے عکس کو لے کر دُھندلا بن جائے گا۔ نئے نئے فضول اور بیہودہ جذبات محسوسات اور وسوسات کے اثرات ہر وقت متحرک ہو ہو کر قوتِ ارادی کو دھکے دے دیکر مغلوب کر لیں گے اور تم اس راہ میں قدم جما کر نہ چل سکو گے۔ یہ تین بلائیں ہیں جو مسافر کو ڈراتی دھمکاتی اور پریشان کرتی رہتی ہیں۔ تم اب بطورِ خود سوچو کہ یہ سچی اور اچھی باتیں ہیں یا بالکل غلط ہیں؟ جو بولا وہ مارا گیا۔ جس نے اوروں کی بات سُنی وہ بہک گیا۔ جس نے اِدھر اُدھر کے نظاروں کو دیکھا وہ راہ سے بے راہ ہو گیا نظر کو سیدھی رکھنا ہے۔ صرف ناک کی سیدھ میں چلنا ہے۔ دائیں بائیں مڑنے کی سالک کے لئے قسم ہے اگر اس نے اصول پر عمل کیا تب تو وہ اس مسلکِ طریقت کا مستحق اور ادھکاری بنا اور اگر بہکا تو گمراہی اور گم گشتگی کے دلدل میں جا پھنسا پھر اس کا ٹھور ٹھکانا نہیں ہے۔

اسی واسطے تجربہ کار سالکوں نے صدا دی ہے:۔

چشم بند و گوش بند و لب ببند گر نبینی سرِّ حق بر ما بخند

یہ بھی کسقدر زوردار کلام ہے اور کیسے دعوے کے ساتھ سنایا جاتا ہے۔ کہنے والا اس طرح کہہ رہا ہے گویا وہ اچھی طرح باخبر ہے۔ اس لئے اس کو بندش میں لاؤ۔ ان پر بند لگاؤ۔ ان کو روک رکھو۔ اگر تم اتنا کر لیتے ہو تو یقین ہے کہ منزل مقصود تک بے کھٹکے پہنچ جاؤ گے اور اگر اس طلائی نصیحت کو سُن کر نہیں مانتے تو پھر تم بھی اُنہیں پہلے گئے ہوئے دونوں راستوں پر چلو گے جن کا انجام بخیر کبھی نہیں ہوتا۔

ہم نے نہایت صاف لفظوں میں تم کو دیکھنے سننے اور بولنے کے آفات اور خطرات کی وضاحت کر دی ممکن ہے اس قدر صفائی کے ساتھ آج تک یہ باتیں کسی نے تم سے نہ کہی ہوں اور ممکن ہے تم نے اس طرح ان کو اوروں کی زبانی نہ سنا ہو۔ اب سن لو اور سن کر ان کو دل میں جگہ دے لو اگر تم اپنے پہلے جنم کے پُنیہ پرتاپ سے اہلِ طریقت کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہو تو یہ پھر بھی تم کو مفید ثابت ہوں گی اور اگر اب تک موقع نہیں ملا ہے تو یہ سنی سنائی باتیں کبھی نہ کبھی کان پڑی ہوئی کام آجائیں گی۔

ان تین حواس کو روک رکھنا اہلِ طریقت کے یہاں تین خاموشیاں کہلاتا ہے۔

تین بند لگائے کر سُن انہد ٹُنکور
نانک سُن تی سادھ میں نہیں سانجھ نہیں بھور

فقیر کی صدا ہے:۔

چلو چلو سب کوئی کہے برلا پہنچے کوئے
ایک کنک اور کامنی دُرگم گھاٹی دوئے

ہم کیا سنتے ہیں کیا دیکھتے ہیں اور کیا بولتے ہیں؟ اس پر کیا تم نے کبھی غور بھی کیا ہے؟ ہم دولت اور شہوت کے بیان سنتے ہیں۔ ہم دولت اور عورت کی صورت دیکھتے ہیں۔ ہم دولت اور عورت کے تذکرے کرتے ہیں۔ یہ دو چیزیں خاص ہیں اور باقی سب ان کے سلسلہ میں عام طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ یہ اصلی مرکز ہیں جن کے اردگرد دوئیت کے اثنیت اور مغایرت کے دو دایرے بن جاتے ہیں اور انھیں مرکز یا نقطوں سے سیکڑوں جذبات کے خطوط کھنچتے رہتے ہیں جو دایروں کی حد تک آتے ہیں اور ان کو بھی روشن نہیں رہنے دیتے بلکہ دھندلا اور تاریک بنا دیتے ہیں کیا تم ان کی صورت دیکھنا چاہتے ہو؟ بہت اچھا دیکھو۔

دایرے چھوٹے نہیں بنتے اور نہ یہ خطوط تعداد میں کم ہوتے ہیں۔ ہم نے صرف ایک مختصر خاکہ کھینچکر تم کو سمجھانا چاہا ہے۔ تم خود عقل والے ہو۔ اپنی عقل اور اپنے تجربات اور مشاہدات سے کام لےکر ان کو بڑھا کر دیکھو۔ تم خود ہی سمجھ جاؤگے کہ ہمارا کہنا غلط نہیں ہے بلکہ لفظ بہ لفظ صحیح اور سچ ہے۔

ان دونوں خواہشوں سے آزاد ہوکر تب اس راہ میں قدم رکھنے کی فکر کرو۔

جب تک یہ خواہشیں دل میں موجود ہیں اور ان کی ہوس سے کام ہے تب تک حقیقت کا پردہ کبھی اٹھےگا اور نہ اس کی اصلیت کی زیارت ہی نصیب ہوگی۔

اندرون خویش ایں آواز ہا — منع کن تا کشف گردد راز ہا

ان کے موقوف کرنے کی ترکیب یہی ہے کہ تین خواہشوں کو بندش تابع
اور متابعت کی حالت میں لایا جائے۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ کوئی شخص اندھا
بن جائے۔ آنکھوں کو پھوڑ لے۔ کانوں میں سیسہ بھر لے اور زبان کو کاٹ لے۔ پہلے آپ
کو اس بات کے ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم اس سنسار میں صرف ان
تین اندریوں کی وجہ سے پھنسے ہیں چکمیہ ہیں۔ دوسری اندریاں گو ان میں وہ
نہ اتنی دکھائی ہیں نہ اس قدر بیرونی اثرات سے دل کو متاثر کرتی رہتی ہیں
بلکہ ان ہی کی وجہ سے ان میں بھی حرکت آتی ہے۔ آنکھ دیکھ کر کان سُن کر
زبان بول کر دل کے لئے اشتعالک کا سامان پیدا کرتی ہے۔ یہ دل کے باہر
نکلنے اور باہر کی طرف سے دل کے اندر خارجی اثرات داخل کرنے کے زبردست
اوزار ہیں۔ ان کی اس قدر تربیت ہونی چاہئے کہ یہ زیادہ نہ بھٹکنے پائیں۔ یہ
نہ بھٹکیں گی تو دل بھی نہ بھٹکے گا۔ ان کی تادیب کا نام سنسکرت میں 'دم' ہے۔
'دم' کا ارتھ ہے قابو میں کرنا۔ ان کو قابو میں کر لو تو من میں شانتی آجائے گی۔
من کی شانتی کو سنسکرت میں 'شم' بولتے ہیں۔ یوں سمجھو کہ من ایک قسم کا تالاب ہے
اور یہ تینوں اندریاں اس کے سوراخ ہیں جن کا منہ باہر کی طرف کھلا ہوا ہے
ان سوراخوں سے باہر کی ہوا اس کے اندر لگتی ہے اور من کے تالاب کے خیالی
پانی میں ہلکورے اٹھنے لگتے ہیں۔ یہی ہلکورے ورتیاں کہلاتے ہیں اور وہ موقع
پاکر باہر کی طرف دوڑتی ہیں۔ اگر سوراخ بند ہو جائے تو پھر یہ حالت نہ ہو۔ تہ منا
تنا چنچل ہو اور خارجی اور بیرونی اثرات اس پر حملہ ہی کرنے پاویں اور جب

اس میں چنچلتا نہ ہوگی تو خود بخود شانتی آجائے گی اور شانتی آنے کے ساتھ ہی اس میں حقیقت اور اصلیت کا عکس پڑنا شروع ہوا اور جہاں یہ کیفیت ہوئی پھر یہ من زمینی نہ رہے گا۔ آسمانی بن جائے گا اور اُن کے آسمانی بنتے ہی حقیقت کا پردہ اُٹھ جائے گا اور جب یہ حقیقت کا پردہ اُٹھ گیا تب پھر کیا ہوگا؟ زندگی اور موت کے معمے ہمیشہ کے لئے حل ہو کر انسان کو جیون کے عذاب اور سنسار کے تین دکھوں سے نجات ہو جائے گی۔ دکھوں سے ہمیشہ کے لئے نجات پانا ہی پرم پُرشارتھ اور زندگی کا اعلیٰ مقصد ہے یہی نروان ہے یہی کیولیہ ہے یہی پرم پد ہے جس کی صراحت ہم نے یہاں صرف انے گنے معدودے چند لفظوں میں کی ہے۔ طوالت سے منطلق کام نہیں چلتا۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ تین بند کیسے لگائے جائیں۔ باہر مکھی ہونا من کی عادت پڑ گئی ہے۔ اس کو باہر کے جگت میں رس ملتا ہے وہ رسیا ہے۔ کوئی رسیا رس کی چاٹ کو یوں آسانی سے کیسے چھوڑنے لگا! کہنے کو تو جو چاہے رات دن باتیں بنایا کرے۔ مگر خبر اس وقت پڑتی ہے جب من کے قابو میں لانے کا سوال آتا ہے۔ گیانی گیان کے کتھن میں مصروف ہوا۔ من اپنی عادت کے موافق اندریوں کے وِشئے کی طرف لے گیا۔ دھیانی دھیان لگانے بیٹھا۔ من میں وِشئے کی ترنگیں اُٹھنے لگیں۔ کہاں کا دھیان۔ کیسا گیان! سب دھرے کا دھرا رہ گیا۔ من چڑھا تھا آسمان پر اور گرا تو نیچے کیچڑ میں لت پت ہو کر پڑا یہ ایک معمولی سی بات ہے جس کو قریب قریب معمولی ذہانت کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے پہلے اس من کو سمجھا بجھا کر تب اس کام کی طرف رجوع ہونا چاہیے

نہ دم ہوا نہ خم ہوا محنت برباد ہوگئی۔ گیانی جنھوں نے یوگ کا سادھن نہیں کیا ہے برہم برہم چلاتے رہتے ہیں، کوئی کوئی خیالی ہستی کے نشہ میں تھوڑی دیر کے لئے بیخود بھی ہو جاتے ہیں، مگر ان کا بھی انجام وہی ہوتا ہے اور کسی نہ کسی وقت ایسا دھکا دے بیٹھتا ہے کہ یہ ناچ اٹھتے ہیں اور کسی کے سنبھالے نہیں سنبھلتے۔

در درونت عجب تماشائے　　آسماں زیر وارض بالائے

ذرا اسے کر تو دیکھو پھر پیچھے کہنا۔ یہ مجذوب کی بڑ نہیں ہے نہ دیوانہ پن کی گفتگو ہے۔ سادھو سنت ولی نبی سب ہی ایسا کر رہے ہیں۔ صوفی سالک اس معاملہ میں سب ہی متفق الرائے ہیں اور ہم بھی سنی سنائی باتوں سے تعلق نہیں رکھتے اپنا تجربہ تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ لیکن جب تک تم خود کر کے نہ دیکھو تم کو یقین کیسے آئے۔ کرتا استاد نہ کرتا شاگرد۔ ایک باخبر صوفی کا کلام ہے:۔

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو چمن درا
تو زغنچہ کم نہ دمیدئی در دل کشا بہ چمن درا
پئے نافہائے رمیدہ بو مپسند زحمت جستجو
بہ خیال حلقۂ زلف او گرہے خورد و بہ ختن درا

ترجمہ:۔ یہ ہے سرو اور چنبیلی کے سیر کی ہوس میں تو اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے۔ اپنے دل کے دروازہ کو کھول۔ باغ میں آجا۔ تو خود پھول سے کم نہیں ہے۔ خشک اور بے بو کے نافہ کی تلاش میں زحمت نہ اٹھا۔ اس کی زلف کی گرہ کے خیال

میں بل کھاتا ہوا دل کے ختن میں آجا۔"

تم پوچھوگے۔ "کیا یہ سچ ہے؟" ہم کہتے ہیں ہاں یہ سچ ہے۔ تم حالت خواب میں کیا کیا تماشے دیکھتے ہو وہ تمہارے اندر ہی تو ہوتے ہیں۔ تم اس وقت باہر کب جاتے ہو۔ ہاں وہ حالت بے اختیاری کی ہے۔ ہم تم سے کہتے ہیں کہ ابھیاس کی مدد سے وہاں بہ اختیار خود چلے جاؤ اور وہاں کے نظاروں سے دل کو خوش کرو۔ اختیار اور بے اختیاری میں وہی فرق ہے جو قید و آزادی کے درمیان ہے اور پھر کون جانے بے اختیاری تم کو کہاں لے جا رہی ہے۔ اختیار والے بنو راہ راست کا پتہ لیکر اندر کی طرف دھنسو۔ عالم بیداری میں خواب کا اور عالم خواب میں بیداری کا تماشا دیکھو۔

جب ذرا اوپر کی طرف چلوگے۔ دوسری آواز سنائی دے گی جو تمہارا خیر مقدم کرے گی اور تم خوشی خوشی پاؤں بڑھاتے اور لمبے ڈگ بھرتے ہوئے خود بخود اس کی طرف رجوع ہوں گے۔

زِ سروشِ محفلِ کبریا ہمہ وقت میرسد ایں ندا
کہ بہ خلوتِ ادب و وفا ز درِ بروں نشدن درا

ترجمہ: "خدا کی محفل کا فرشتہ ہر وقت یہ صدا دیتا ہے کہ ادب و وفا کی خلوت میں ایسے دروازہ سے ہوکر آؤ جس سے پھر باہر جانا غیر ممکن ہے۔"

یہہ ہم نے تم سے پہلے ہی کہدیا ہے کہ اس "شرے مارگ" میں جو آیا وہ پھر واپس نہیں جاتا اور نہ اس کو جنم مرن کا کھٹکا رہتا ہے۔ ہاں آنے گھسنے اور داخل ہونے کی شرط ہے۔

محقق سوال کرتا ہے کہ "جب انتر میں تین اندریاں کام کرنے لگ گئیں تو پھر
سکوت بند اور خاموشی کیسی؟ حالت تو جوں کی توں رہی۔ صرف ستھان بدل گیا"
یہ اعتراض بجا ہے۔ پہلے تو طالب کو یہ یقین کرانا ضروری ہے کہ اندر میں یہ حالتیں
پیدا ہوتی ہیں۔ پرمان، انومان شبد تین قسم کے گیان دنیا میں ہوتے ہیں۔ پرمان
تو اندریوں کا گیان ہے۔ دیکھنا سننا چکھنا وغیرہ یہ پرمان گیان ہے۔ قیاس
کرنا اندازہ لگانا نتیجہ کو دیکھ کر سبب کا خیال کرنا انومان کہلاتا ہے۔ اس کا
تعلق دل سے ہے۔ شبد گورو کی شہادت اور آپت پرش کا کلام ہے جو ہر
حال میں قابل تسلیم ہے۔ باہری جگت میں تو علم اس طرح حاصل ہوتا ہے۔ اندرونی
جگت میں ان کے سنسکار دل میں قایم رہتے ہوئے کچھ جزوی اور خفیف اختلاف
کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ اندرونی عالم میں گو اور اندریوں کا ابھاو تو نہیں ہوتا
مگر تین اندریاں آنکھ، کان اور زبان سب سے زیادہ زبردست رہتی ہیں
وہاں بھی ان کی وہی کیفیت رہتی ہے جو یہاں ہے۔ آنکھ، کان اور زبان
تینوں اپنا کام کرتے ہیں۔ عالم ارواح اور دیولوک میں بھی ان کی پربلتا رہتی
ہے ساتھ ہی من انومان کرتا رہتا ہے جو چھٹی اندری ہے۔ فرق یہ ہے کہ کان جہاں
اور شبدوں کو سنتا ہے ساتھ ہی اس شبد کو بھی سنتا ہے جو گورو یا آپت پرش نے
بتایا ہے۔ آنکھ جہاں اور نظارے دیکھ سکتی ہے ساتھ ہی اس نورانی منظر کا بھی
مشاہدہ کرتی ہے جس کی امید دلائی گئی ہے۔ زبان قطعی طور پر سوا اجپا جاپ
کے کسی سے تعلق نہیں رکھتی۔ رفتہ رفتہ ادھر سے بالکل خاموش ہو جاتی ہے
اب کان اور آنکھ کو سماع اور بصارت کے سلسلے میں قید لگانا باقی رہا ہے انکو

سواء ہدایت کی ہوئی حالت کے اور طرف سے بے بصری اور بے خبری میں رہنا پڑتا ہے۔ زبان بند ہے۔ آنکھ کو دور سے چراغ کی روشنی نظر آرہی ہے۔ کانوں کو گھنٹے کی آواز دور سے سنائی دے رہی ہے۔ زبان تو دل کے ساتھ ملی ہوئی کسی خاص خیال میں محو ہے۔ سرت کی دھار بتائے ہوئے مرکز کی جانب رواں ہے۔ ذرا چراغ کی روشنی پر ٹکٹکی لگا کر دیکھو وہ کیا ہے؟ ہزاروں روشنی کی دھاروں کا مرکز ہے۔ دور سے نظر جمانے پر اس کی بکھری ہوئی دھاریں پر تیرت ہوتی ہیں کیونکہ ہر جگہ دھاروں ہی کی رچنا ہے اور گھنٹے یا شنکھ کی آواز بھی اسی طرح مسلسل اور لاینقطوع معلوم ہوتی ہے۔ تم آپ چلے۔ چراغ کی روشنی تم کو بلاتی ہوئی خوشی کے ساتھ تمہارا خیر مقدم بھی کر رہی ہے۔ تم پھاٹک پر پہنچ گئے۔ لو ایک مرحلہ طے ہو گیا۔ یہ ابتدائی مرحلہ تھا۔ آگے کی منزلوں کا پیش خیمہ تھا۔ جس طرح کالج میں داخل ہونے کے لئے ہائی اسکول کے سرٹیفکٹ کی شرط ہے اسی طرح یہاں بھی وہی شرط ہے۔ ہائی اسکول کا نام ہی داخلہ کا پھاٹک ہے۔ صوفی یہی کہتا ہے۔ "آں قدر ہست که بانگے جرسے می آید" اس مقام کی شکل یوں ہے۔

زبان گونگی بنی ہوئی گو بسوز میں ہے مگر ظاہری طور پر خاموش ہے۔ آنکھ بند لگ گیا۔ اب مندر میں داخل ہو۔ مندر کیا ہے؟ یہ تمہارا سر ہی تو مندر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔ شیوجی کے مندروں کے گنبد بالکل انسانی سر کی طرح گولے کھوکھلے اور پرستش کے ہر ساز و سامان سے معمور ہوتے ہیں۔ یہ مندر نقل ہیں اصلی مندر کے۔ اصلی مندر تو تمہارا سر ہے جہاں اصلی وشیشور ناتھ براجمان ہیں اور نقلی مندر اینٹ اور پتھروں کے ہیں جہاں وشیشور ناتھ کی صرف نقلی مورتی گولاکار اور لنگا کار شکل میں

شہادت کی گئی ہے۔ مندر کے بیچ میں ایک مثلثی اور تر کونی شکل کی شئے تم کو ملے گی اس کو ترکٹی کہتے ہیں۔ وشیشور ناتھ گوروکی روشن اور سرخ رنگ کی

دمکتی ہوئی پرتما نظر آرہی ہے۔ اس کا درشن کرو۔ اس کی صورت یوں ہے۔ ساتھ ہی جہاں تم دُور سے گھنٹے اور شنکھ کی آواز سن رہے تھے۔ اب مردنگ یا پکھاوج کے میگھ ناد کی صدا کو دل دو۔ یہ اندرونی آواز ہے۔ کوئی اس کو اوم اوم کہتا ہے۔ کوئی بم بم بولتا ہے۔ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ جس نے جیسا سنا ویسا یقین کیا اور یقین دلایا۔ یہ مندر کے اندر گونجنے والی ہے۔ گونجتی ہوئی آواز کو اوم اوم اور بم بم ہی کہا جاتا ہے۔ صوفی اس کو "ہُو ہُو" کہتے ہیں اور گورو نانک صاحب کے اصلی معتقدوں نے اس کو واہ گورو سے مشابہ مانا ہے۔ یہ گوروہی کا استھان ہے یہی برہمہ ہے جو یہاں آیا وہ سچا گورومکھ بنا جو نہیں آیا اس نے ابھی تک سچے معنی میں گورو کا درشن نہیں پراپت کیا۔ وہ اب تک من مکھ ہے۔ یہاں آتے ہی دھیان گیان کی محویت کی حالت ملنے لگتی ہے۔ اس محویت میں ایک قسم کی تاریکی ہے جس کو ظلمات کہتے ہیں۔ اندھیرے کا عالم! ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ اس حالت کا نام سُن ہے اور مہا سُن ہے۔ یہ برہمہ پد ہے۔ یہ شونیہ وادی کا دھوں دھوں

دھرپد ہے۔ اس کی شکل یوں ہے۔ آنکھوں پر بھی بند لگ گیا۔ کوشش کرو تاکہ آتم پد کی سچی سفید رنگ کی جھلکتی ہوئی روشنی تمہارے اندر پرگٹ ہو۔ لو وہ پرگٹ ہو گئی۔ یہاں نہ وہ زبان رہی نہ آنکھ ہی رہی۔ دونوں اب جسمانی رنگ روپ سے آزاد ہو کر روحانی ہو گئیں۔ کان بے شک کھلے ہیں۔ ان کو اوم کی صدا سے اور کچھ اور طرح کی دھار والے شبد گوش زد ہو رہے ہیں۔ ان پر جسمانی بند

تولگ گیا۔ روحانی بند باقی ہے۔ آگے بڑھو۔ یہ ستھان برہم گپھا ہے۔ یہ سوتنک ہے
تم نے شاید سوتنک نہ دیکھا ہو۔ اس کی شکل یوں ہوتی ہے۔

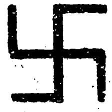

سوستک

سنسکرت لفظ سُو (اچھا) اور اس (ہونے) سے نکلا ہے۔ ہندو اکثر اپنے گھر کے درودیوار اور مندروں میں اور پرستش کے سامان میں ایسی شکل بنایا کرتے ہیں۔ سنسکرت لغت دیکھو تم کو سنسکرت کوش بتائے گا کہ چار سڑکوں کے ایک جگہ ملاپ کا نام سوستک کہلاتا ہے۔ پرہمہ اور پر پرہمہ بکھری ہوئی اور پھیلی ہوئی حالتوں کا نام ہے۔ سُن کے ستھان میں چار قسم کی صدائیں سنائی دیتی ہیں اگر تم نے ابھیاس کے وقت سنا ہے تو کیا کہنا ہے! اور اگر نہیں سنا تو سنتوں کی بانی پہ یقین کرو۔ ست پورش رادھا سوامی دیال نے فرمایا ہے "بانی چار گپت جہاں رہتی" یہ سوستک چکر ہے یہی بھنور گپھا ہے۔ یہاں سے بھی اندرونی صدا نکلتی ہے اور برہمہ کی اُتپتی یہاں سے ہوتی ہے۔ جیسے اس کا نام سوستک اور بھنور گپھا ہے ویسے ہی اس کے اندر سے بانسری کی آواز کی شکل میں سوہنگ سوہنگ شبد برآمد ہوتا ہے۔ آگے بڑھ کر ست لوک' ست مندر اور ست دھام آتا ہے۔ یہاں بین کی آواز میں ست ست اور حق حق کی آواز نکلتی رہتی ہے۔ یہ مکمل مقام ہے اور یہاں مکمل بین اپنا مکمل راگ سنا کر اس پر محویت اور استغراق کی لہر لگا دیتی ہے اور جب یہ حالت نصیب ہوتی ہے سنتوں نے اسی کا نام رادھا سوامی رکھا ہے۔ یہ سب سے اونچا دھام ہے

یہی فقرا کا مقام آخری ہے۔ یہی سنتوں کا دُھر سنتھان ہے۔ وہاں نہ رنگ ہے نہ روپ ہے نہ ریکھا ہے۔

جو اتنے پد اونچے چڑھے رنگ روپ ریکھا سے ٹمے

تین خاموشیوں کا تذکرہ کر دیا گیا۔ تصوف کی روحانی منازل سے جہاں تک ہو سکا واقفیت دینے کی کوشش کی گئی۔ جس کو تین بند لگا کر روحانیت حاصل کرنے اور سنسار کے جنم مرن سے چھوٹنے کا خیال ہو وہ ان تین بندوں کے لگانے کی کوشش کرے۔ یہ سنتوں، بدھوں اور صوفیوں میں سلطان الاذکار کے شاغلوں کا طریق ہے اور جگہ بہ صرف اشاروں میں بتایا گیا ہے۔ سنتوں نے اس عملی فلسفہ کی مکمل اور باقاعدہ طریقہ میں تعلیم دی ہے یہ زبانی جمع خرچ کا فلسفہ نہیں ہے۔ جو لوگ اس پر عمل کریں گے وہ روح اور دل کی لطافت کے ساتھ روحانیت کے حقدار اور وارث ہوتے ہوئے دُھرپد کو پراپت کرلیں گے اُس دُھرپد کو پراپت کرلیں گے جو ان کے اندر ہے اور ان میں ہے۔ جو باتیں بنایا کریں گے ان کے لئے نہ یہ تعلیم ہے اور نہ یہ تدریس۔

---

(۵) شبد وچار

شبد ہی مارے مر گئے۔ شبد ہی تجیا راج
جو یہ شبد بویکیا۔ تا کا سر یا کاج (پرم سنت کبیر صاحب)

شبد ابھیاس شبد ودیا شبد یوگ شبد بان شبد برہمہ وغیرہ الفاظ صدیوں سے انسان کی زبان پر رہتے ہیں مگر اس لفظ شبد پر بہت ہی کم غور کیا گیا اور بہت کم آدمی ہیں جو شبد کی ماہیت سے واقف رہتے ہیں

شبد آواز کو کہتے ہیں۔ آواز دنیا میں سب سے بڑی طاقت ہے۔ یہ پرانوں کا پران اور جیووں کا جیو بھی ہے۔ چیونٹی سے لے کر برہمہ تک اور پاتال دتو بلکہ ستیہ لوک تک اگر کسی محیط کل طاقت کا وسعت کے ساتھ پھیل کر اور سکھ کر رہنے کا انومان ہو سکتا ہے تو وہ صرف شبد ہی ہے۔ درشن والے فلاسفروں نے آکاش کا جوہر شبد ہی کہا ہے مگر شبد کی اہمیت صرف عناصر اور تتووں ہی تک کیوں محدود ہے اگر وہ ایک طرف پرکرتی کی جان ہے تو دوسری طرف پرش کی روح بھی ہے۔

پرکرتی سنسکرت لفظ 'پر' (بڑی) اور 'کری' (کرم فعل) سے بنی ہے۔ بزرگی اور کرم کی جان سوا شبد کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ جہاں کام اور فعل ہے وہاں حرکت ہے جہاں حرکت ہے وہاں آواز ہے۔ اس لئے یہ پرکرتی خود بھی کیا ہوئی؟ شبد ہی تو ہوئی۔ اسی طرح پرش سنسکرت مادہ 'پر' (جسم) اور 'شی' (رہنے) سے

نکلا ہے جو جسم میں رہتا ہے وہی پُرش ہے۔ جسم میں کیا رہتا ہے؟ غور کرنے پر پتہ لگتا ہے کہ وہ شبدہی تو ہے۔ شبد کے سوا، کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ بولتا نکل گیا ٹھٹھری پڑی ہوئی ہے۔ بولتا پُرش ہی کا نام ہے۔ پران بولتا ہے اور یہ کس کے آدھار پر بولتا ہے؟ شبد کے آدھار پر۔ اس لئے من پران بانی آتما پرماتما برہم اور پربرہم، اونکار پُرش، سوہنگ پُرش ست پُرش یہ سب کے سب بلا استثناء اور بلا خوف تردید شبدہی کہے جا سکتے ہیں اور وہ اصل اور نقل کی نظر سے شبد کے سوا، کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

مذہبوں کے نوشتہ جات پر غور کرو۔ ہر جگہ شبدہی کے ظہور کا پتہ لگتا ہے۔ وید کہتے ہیں "پُرش نے کہا: میں ہوں" اور "میں" ہو گیا۔ پُرش نے سوچا۔ میں ایک سے انیک ہو جاؤں۔ اور وہ ایک سے انیک بن گیا۔ اس میں کہنا سوچنا، ہونا سوا شبد کے ظہور کے تماشوں کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ یوحنا کی انجیل صدا دیتی ہے "ابتدا میں کلام تھا۔ کلام خدا تھا۔ کلام ہی نے سب کچھ پیدا کیا۔" موسیٰ کی توریت کہتی ہے "خدا نے کہا روشنی ہو جائے اور روشنی ہو گئی۔" کیا اس سے ثابت نہیں ہے کہ شبدہی کردگار، آفریدگار اور کارساز ہے مسلمان کیا بولتے ہیں "خدا نے کُن کا کلمہ کہا اور کائنات بن گئی" سوچو اور تم سمجھ جاؤ گے کہ جس کو خالق کہا جاتا ہے وہ حقیقت میں صرف شبد ہے۔ شبد کے سوا، اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ شبد کو معمولی چیز نہ سمجھو۔ ذرا اس کے پردوں کے اندر گھسو تب پتہ لگے گا۔ مذاہب کے روحانی معلمین نے تو شبدہی کو سب کچھ راز و نیاز کے پردوں میں اصلیت کا جوہر بتایا ہی ہے لیکن ست پُرش رادھا سوامی

دیال نے پرگٹ ہو کر اور بھی اس کی نہایت صاف اور واضح زبان میں صراحت کر دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

شبد گُپت تب رہا انام

شبد پرگٹ تب دھریا نام

یعنی جب تک اس شبد نے ظہور نہیں کیا تھا تب تک وہ انام اور بے نام والا تھا اور جب شبد نے ظہور کیا تو وہی نام والا ہو گیا۔ اس سے زیادہ آج تک کسی نے بھی واضح طور پر شبد کی تصویر نہیں کھینچی۔

الغرض یہ شبد ہی سرشٹی سِتھتی اور پرلے کا آدھار ہے۔ یہی اونچی دنیا میں ہرنیہ گربھ، اویاکرت اور وراٹ ہے۔ یہی درمیانی عالم کا برہما وشنو اور مہیش ہے اور یہی شبد اس سفلی طبقہ میں جیو روپ وشو تیجس اور پراگیہ ہے۔ اگر شبد برہم ہے تو برہم کا ظہور بھی شبد ہی ہے اور اگر برہم شبد ہے تو برہمانی گایتری اور ساوتری بھی شبد ہی ہے۔ شبد کے سوا اور ہو کیا سکتی ہے۔ غور کرو تو ابھی حقیقت کا پردہ اٹھ جائے اور اصلیت کا درشن تب ہو۔ بغیر غور کے کوئی کیسے ماہیت کا پتہ چلے۔

یہ شبد ہی برہمانڈ پنڈ اور وسو دیو ہے اور اسی کے پیٹ میں اوم کا شبد جیو کا شبد اور کرشن بھگوان کی بانسری بجتی رہتی ہے۔ ایک طرف گوپی اور گوپ کہتے ہیں "بانسری باجی مدھوبن میں"۔ دوسری طرف باخبر صوفی صدا سنا رہے ہیں "بشنو از نے چوں حکایت می کند۔"

بہتی ہوئی ہوا حقیقت کا نغمہ سنا رہی ہے۔ چلتا ہوا جاری پانی صدائے قدرت

کا راگ گا رہا ہے۔ جلتی ہوئی آگ ہزار ہا لپلپاتی ہوئی زبانوں سے سچائی کا الاپ الاپ رہی ہے۔ درختوں کے پتے ایک دوسرے کے ساتھ ٹکر کھا کر جھانجھ کی طرح بج رہے ہیں۔

پُر و خالی پُر انداز نغمۂ دوست
ببیں دف را کہ چوں برمید ردپوست (ملا ظہوری)

چرند پرند اور درند سب اپنی اپنی زبانوں میں اس کی اشتی دانستہ اور نادانستہ طور پر گا رہے ہیں۔ اسی شبد یا آوازیں زندگی ہے۔ اسی میں موت کا بھی تماشا ہے۔ بچہ پیدا ہوتے ہی آواز کرتا ہے۔ اگر اس کے منہ سے صدا برآمد ہوئی تو زندہ ہے ورنہ مردہ سمجھا جاتا ہے۔ جسم کی جستی رگ وریشوں کی حرکت حواسوں کے فعل سب کا انحصار شبد پر ہے اور جستی حرکت اور فعلوں کے سلسلہ میں ہر جگہ آواز گونج رہی ہے۔ تم سنو یا نہ سنو۔ مگر آواز سے خالی کوئی ظرف زمان یا مکان نہیں ہے۔ جلتے ہوئے چراغ، بند زبان اور بے حس و حرکت پڑے ہوئے پتھر اور لکڑی کے ذروں میں ظاہرا بے حرکتی کی حرکت کی آواز ہو رہی ہے۔ میز اور کرسی کو ایک جگہ کچھ عرصہ کے لئے رکھ دو۔ ان کی شکل وصورت میں فرق آجائے گا کیونکہ آواز کا قانون اُن ذرات کو متحرک کرتا ہوا تبدیلی کے لئے مجبور کرتا ہے اور وہ بن کر بگڑ کر ایک خاص حالت میں بنتے رہتے ہیں۔ اگر تم ان کی طرف سے اپنی آنکھ نہ میچو تو ان میں بھی حال کے کانوں سے ان کے اندر آواز کو گونجتی ہوئی سنو گے۔

آواز بطور خود قدرت کا زبردست مخفی راز ہے۔ جس میں عدم اور وجود کے

کاروبار ہر لمحہ میں ہوتے رہتے ہیں۔ شاعر نے ایک پُر درد شعر سنایا کلیجہ دہل گیا۔ سر چکرا گیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ رقت کی حالت طاری ہوئی اُس نے لہجہ بدل دیا۔ ہمت و جرأت کے انداز سے کلام سنائے۔ رونگٹے کھڑے ہوگئے آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ بن گئیں اور دل بلیوں اچھلنے لگا۔ اب اس نے مستی کا راگ چھیڑا۔ دیکھو وجد اور سرور اور بے خودی آگئی۔ خودی جاتی رہی۔ جب آنکھیں ہمدردی کی نظر سے پپوٹوں کے اندر متحرک ہوتی ہیں ٹوٹے ہوئے دل جڑ جاتے ہیں۔ ان کی حرکت میں جادو کی آواز ہے جس کو صرف باتمیز لوگ سنتے ہیں۔ ہاتھوں کے اشاروں میں سحر اور فسوں کی تاثیر ہے کیونکہ ان میں جادو گر آواز مخفی ہو کر کام کرتی ہے۔

زبان بولے نہ بولے۔ وہی کام آنکھیں کرتی ہیں۔ آنکھیں دیکھیں یا نہ دیکھیں انکا فرض دل ادا کرتا ہے۔ دل سوچے یا نہ سوچے باطن کی مخفی آواز کام کئے ہوئے بغیر کب رہیگی یہ معرفت کا نکتہ ہے جس کی سمجھ کسی عارف کامل ہی کو ہوگی۔ یہی کلام ہاتھ پانوں والا ہے اور یہ ہاتھ پانوں سے محروم بھی ہے۔ یہی سگن اور یہی نرگن برہمہ ہے۔ یہ ظاہر ہو کر کہیں دوا علاج کرتا ہے یہی جسم کو زخمی اور دل کو چور چور بھی کر دیتا ہے۔ فقیر کی صدا دنیا کی طرف سے بے پرواہ بنا دیتی ہے۔ دنیا دار کی بات دنیا کے جھمیلوں میں پھنسا دیتی ہے۔ پھر سنو۔

ایک شبد سکھ راس ہے۔ ایک شبد دُکھ راس
ایک شبد بندھن کٹے۔ ایک گلے کی پھانس
شبد شبد سب کوئی کہے شبد کے ہاتھ نہ پانوں

ایک شبدا ور شبد وہ کرے۔ ایک شبد کرے گھاو (پریم سنت کبیر صاحب)

ایک شبد کے رنگ رُوپ اور جسامت ہوتے ہیں اور یہی شبد رنگ روپ اور جسامت سے خالی ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ شبد کا رنگ روپ نہیں ہے اور وہ گنتی میں نہیں آتا۔ اس میں سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ غصہ کی آواز کا رنگ انگار کی طرح سرخ ہے۔ پریم کے شبد کا رنگ نیلا ہے۔ معرفت کے شبد کا رنگ سفید ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ غصہ کے شبد کا روپ ڈراونا ہے۔ پریم کے شبد کا روپ دلفریب ہے اور معرفت کے شبد کا روپ پاک اور لطیف ہے۔ ایک ایک شبد کی ہزاروں ہی تاثیریں ہیں۔ وہ ایک ہوتا ہوا انیک بھی ہے۔ تم کس جھگڑے میں پھنسے ہو۔ اسی شبد کی طرف ذرا دھیان دو اور سب کچھ تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔ یہی آتما اور پرماتما ہے۔ تم کس آتما اور پرماتما کے جھمیلے میں جا کر الجھے۔ یہی جسم ہے۔ یہی رُوح ہے۔ یہی دل ہے۔ یہی دماغ ہے۔ یہی بیماری ہے۔ یہی دوا ہے۔ کہاں تک ہم کھول کر کہیں۔ اگر آدمی چاہے تو محض گانا سنا کر لاعلاج مرض کو دور کر سکتا ہے۔ اگر کسی کو اس کی ماہیت معلوم ہو جائے تو وہ بجھے ہوئے چراغوں کو دم کے دم میں روشن کر دے۔ اس میں طاقت ہے پانی کو پتھر بنائے اور پتھر کو پانی کر کے بہا دے۔ یہ سائنس کی جان، علم حکمت کی روح اور فلسفہ کا جوہر ہے۔ آج تم ممکن ہے ہماری باتوں پر تمسخر اڑاؤ۔ وقت آئے گا جب شبد کی فضیلت اور عظمت سنائے گا۔ اس وقت تم افسوس کرو گے کہ ہائے ہم نے سچائی کی طرف سے آنکھیں میچ رکھی تھیں۔ وقت تھا کہ تم ہم سے یا کسی اور شبدابھیاسی سے پرمارتھ کی کنجی حاصل کرتے اور اپنا کام بناتے مگر تعصب اور

ہٹ دھرمی کر رہے ہو اور سچائی کے قبول کرنے سے گریز ہے۔

وسیع دل بنو کسی مذہب کو بُرا بھلا کیوں کہتے ہو؟ ہم کو دیکھو۔ ہم کسی مذہب کی نہ توہین کرتے ہیں نہ مذمت کرتے ہیں اور سب کا عطر نکال کر تم کو سونگھاتے رہتے ہیں۔ برائی سے برائی بھلائی سے بھلائی پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے گوروکی اپار دیا سے شبد کا کچھ بھید پراپت کیا اور ہم کو دنیا کے تمام مذہبوں میں سچائی نظر آتی ہے۔ تم بھی ایسا ہی کر سکتے ہو۔

شبد بِنا سُرت آندھری کہو کہاں کو جائے
دوار نہ پاوے شبد کا پھر پھر بھٹکا کھائے (پرم سنت کبیر صاحب)

شبد کا علم حاصل کر کے آواز دو اور کس کی مجال ہے کہ تمہاری صدا کو نہ سنے "ہر نامہ کہ خوانی سر بر آرد" بغیر شبد کے علم کے کیا ہو سکتا ہے۔

تمہارے دماغ کے آسمان میں آسمانی صدائیں گونج رہی ہیں مگر تم نہیں سنتے اور سنو بھی کیسے! تنگ دِل اور متعصب بن رہے ہو۔ کیوں دل کو ان ناپاک آلایشات سے پاک کر کے اندرونی راگ اور نغموں کو نہیں سنتے۔ ابھی تمام برائیوں سے چھوٹ جاؤ اور تعصب، ہٹ دھرمی اور تنگ دلی جاتی رہے۔ یہی نغمہ اصلیت میں وحی اور الہام ہیں۔ یہی خدا کے کلام ہیں۔ دوسرا الہام اور کون ہے۔

(۱) گفت پیغمبر کہ آوازِ خدا   میرسد در گوشِ من ہمچو صدا
(۲) چرخ را در زیر پا آرائے شجاع   بشنو از فوقِ فلک بانگِ سماع
(۳) ہر ندائے کہ ترا بالا کشید   آں ندا میداں کہ از بالا رسید
(۴) ہر ندائے کہ ترا حرص آورد   بانگ گرگے داں کہ او عالم درد

(۵) گوش را نزدیک کن کاں دور نیست لیک ایں گفتن بتو دستور نیست

(۶) گو بگویم شمۂ زاں نغمہا مردہ ہا سربرزنند از زخم ہا

(۷) اندریں رہ می تراش و می خراش تا دمے آخر دمے غافل مباش (مولانا روم)

ترجمہ:- (۱) پیغمبر صلعمؐ نے کہا۔ خدا کی آواز میرے کانوں میں (زوردار) صدا کی طرح آتی رہتی ہے (۲) آسمان کو دلیر بنکر پانوں کے تلے لاؤ اور آسمان پر چڑھ کر راگ سنو (۳) جو آواز تم کو اوپر کی طرف کھینچے سمجھ لو کہ وہ اوپر سے آرہی ہے (۴) اور جس آواز سے دل میں حرص پیدا ہو جان لو کہ وہ بھیڑیئے کی آواز ہے جو دنیا کو پھاڑ ڈالے گی (۵) کانوں کو نزدیک کرو یہ دور نہیں ہے۔ لیکن یوں تم سے کہہ دینے کا ہمارا دستور نہیں ہے (۶) اگر ذرا بھی ہم ان نغموں کا ذکر چھیڑ دیں تو ابھی قبروں کے مردے زندہ ہو جائیں (۷) اس راہ میں جیتے جی تراش خراش کرتے رہو اور آخر وقت تک غافل نہ رہو۔

تم شاید کہو کہ "ہم اپنی طرف سے تم کو نئی تعلیم دے رہے ہیں" یہ خیال بالکل غلط ہوگا۔ نئی اور پرانی دونوں نسبتی الفاظ ہیں نہ کوئی چیز پرانی ہے نہ نئی ہے۔ تم نہیں دیکھتے ہم ویدوں کا عطر مسیحی مذہب کا جوہر اسلام کے صوفیوں کا اصلی مطلب تم کو بتا رہے ہیں۔ ہاں ان میں نکتے ہیں۔ وضاحت نہیں ہے۔ یہ کام ہم بے شک کر دیتے ہیں۔ پوران یعنی حضور مہاراج نے جو تعلیم دی وہ ہم سننے والوں کو مختلف طریقوں میں بے تعصب ہو کر سناتے رہتے ہیں۔ یہی خلاصہ ہے ہندو دھرم، بدھ مذہب، مصرانی طریق اور یونانی فلسفہ کا۔ ہم گورو بننے کی خواہش سے یہ تم کو نہیں سناتے۔ تم اس کو سمجھ لو اور جہاں سے تم بہتر سمجھو تعلیم اور تلقین کا مفاد حاصل کرو

اور اگر غفلت میں پڑے ہو تو تم جانو اور تمہارا کام جانے۔

ہر آواز کی تمہارے اندر حد ہے۔ اس حد میں آواز سنتے ہوئے بے حدی کی طرف چلنے لگو گے اور ایک ایسے وسیع طبقہ میں پہنچو گے جہاں رنگ روپ دیکھا نہیں ہے اور نہ ایک انیک کا جھگڑا ہے۔ سچی شانتی اصلی حقیقت اور دائمی زندگی تمہارے حصہ میں خود بخود آ جائے گی اور تم بالکل وسوسات دنیادی سے بلا کسی محنت کے پاک و صاف ہو کر اس ستھان کے باسی ہو جاؤ گے جس کو سنت اور فقیر رادھا سوامی دھام کہتے ہیں اور اگر اس اکیلی اور یقینی تدبیر سے چوک گئے تو یونہی اوروں کی طرح بھٹکا کھاتے رہو گے۔ فلسفہ سے یہ گتھی کبھی نہ سلجھے گی کیونکہ وہ کبیر صاحب کے کلام کے موافق کال مت جھائیں مارگ اور سایہ کا راستہ ہے زیادہ کیا کہیں۔ بہت کہہ چکے۔ اگر جی میں آئے اور من مانے تو سُرت شبد یوگ کے سادھن میں لگو۔

ممکن ہے تمہاری بھلائی کا یہی وقت ہو۔ بھلائی ہزاروں ہی صورتوں میں آتی ہے ہوا کا جھونکا آیا۔ بچے کی آواز کان میں پڑی۔ درخت کا پتہ ٹوٹ کر گرا۔ بجلی کا کوندا کڑک کر چمکا۔ بری بھلی خبر سننے میں آئی۔ یہ سب سورگ کے دوت اور آسمان کے فرشتے ہیں۔ اگر تم نے ان کی طرف ذرا دھیان دیا تو دم کے دم میں زندگی پلٹ گئی۔ اور اگر ان کی طرف سے بہرے اور اندھے بن گئے تو پھر وقت جاتا رہا اور کون جانے وہ کب پھر آوے۔ خواہ اس جنم میں نہ آوے۔

بزمِ عرفان (۶)

کا

پہلا اجلاس

صوفی اور شیو

معقولات و منقولات وغیرہ

صوفی۔ معقولات اور منقولات سے کہاں تک اور کس وقت تک ہم کو تعلق رکھنا چاہیئے؟ شیو۔ جب تک کہ اپنے اندر کی قوتِ تمیز نشو و نما پا کر حقیقت کی طرف اشارہ کی انگلی اٹھانے کے قابل نہ بنے اور وہاں ہی تک ہم کو معقولات و منقولات سے کام لینا ہے جہاں تک کہ یہ حقیقت کے سمجھانے میں ہمارے مددگار رہتے ہیں۔ صوفی۔ ان کے لئے کوئی وقت بھی مقرر ہے؟ شیو۔ ہاں اور نہیں۔ صوفی۔ ہاں اور نہیں کیوں؟ شیو۔ اس لئے کہ جس کے دل کے پردے پھٹ چکے ہیں یا جس کے پھٹنے پر آ گئے ہیں وہ نفسِ مطلب کو صرف اشاروں میں سمجھ لیتا ہے مگر جس کے دل کے پردے چاک نہیں ہوئے ہیں یا چاک ہونے کے درجے تک نہیں پہنچے ہیں اس کو ابھی بہت کام کرنے باقی ہیں۔ ایک کے لئے تو وقت کے امتداد کا زمانہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے کے لئے اختیار ہے جو میعاد چاہو مقرر کر دو۔ مگر میعاد

غلطی میں داخل ہے کیونکہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ وقت کب آوے گا اور کیسے آویگا۔ صوفی۔ کیا یوں بھی پردے پھٹ جاتے ہیں؟ شیو۔ ہاں۔ ممکن ہے کہ کسی ناگہانی واقعہ کے اظہار کی وجہ سے اس کا ظہور ہو۔ مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے صوفی مثلاً؟ شیو۔ مثلاً کوئی شخص بہرا ہے۔ وہ حکیموں سے اپنے کان کا علاج کرا رہا ہے کوئی فایدہ نہیں ہوتا۔ ایک روز تڑاقے کی گرج ہوئی اور اس کے کان میں سننے کی طاقت عود کر آئی۔ اسی طرح کوئی شخص گونگا ہے بول نہیں سکتا۔ کوئی ایسی ناگہانی بات ہو گئی کہ اس کی زبان کھل گئی۔ بالکل اسی طرح کبھی کبھی دنیا میں یونہی خود بخود دل کے پردے بھی پھٹ جایا کرتے ہیں اور ان کے پھٹتے ہی انکشاف اور اظہار کا تماشا آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے لیکن یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ جن پر انسان خواہ مخواہ یقین کرکے بیٹھ رہے۔ عام طور پر تو جو طریق اہل طریق نے سکھایا ہے اسی کی پیروی میں لگے رہنا چاہیئے صوفی۔ جس طرح آپ نے حواس یعنی اندریوں کے پردے پھٹنے کی مثال دی ہے کیا اسی طرح دل کے پردوں کے پھٹنے کی بھی دی جا سکتی ہے؟ شیو۔ کیوں نہیں دنیا عالم مثال ہے۔ اس میں ہر بات ہر واقعہ اور ہر حالت کے مشابہ سامان موجود ہیں۔ اور ان ہی کی مدد سے معرفت کی تنظیم میں مدد لی جا سکتی ہے۔ صوفی۔ کوئی ایسی مثال دیجیئے جس سے میرے ذہن نشین ہو جائے کہ دل کے پردے کس طرح یونہی پھٹ جایا کرتے ہیں اور آدمی کی حالت میں امتیازی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ شیو۔ ایک شخص کو اپنے لڑکے کے ساتھ گہری محبت ہے۔ وہ اس کی محبت کی زنجیر میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ از خود رفتہ ہے۔ لڑکا مر گیا۔ دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیری ہو گئی۔ جس رشتہ نے اس کو پھنسا رکھا تھا ٹوٹ گیا۔ باپ سمجھا

ہے۔ دنیا فانی ہے۔ دنیا کا کام فانی ہے۔ دنیا کے تعلقات فانی ہیں اور اس کی نگاہ فانی کی طرف سے پھر کر باقی کی طرف خود بخود رجوع ہو جاتی ہے۔ اس طرح نیک رو نہیں۔ دنیا میں سینکڑوں اور ہزاروں طرح کے واقعات ہوا کرتے ہیں اور وہ دل کے پردوں کو چاک کر دیتے ہیں۔ ان کے طفیل انسان دیکھتے دیکھتے کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ **صوفی**۔ کیا ممکن ہے کہ جو شخص حد درجے کا بدکار ہو وہ ان حادثات اور اتفاقات سے بالکل نکوکار ہو جائے؟ **شیو**۔ ہاں **صوفی** کس طرح **شیو**۔ وہی قانون جس کی مثال بیٹے کی موت اور باپ کی ہدایت کی بابت دی گئی ہے۔ یہاں بھی عاید ہو سکتی ہے **صوفی**۔ تب تو معاملہ دگرگوں ہو گیا۔ اگر بد اس طرح نیک بن جائے تو پھر قانون پاداش اور اصول جزا کے آئین کو گزند پہنچا۔ کیونکہ بد کو بدی کی سزا نہیں ملی اور وہ یونہی نیک ہو گیا **شیو**۔ سنو یہاں تمہاری غلطی ہے۔ تم نے بدی کو جو اسمجھ رکھا ہے بدی اور کوئی شے نہیں ہے صرف دل کی کثافت کا نام بدی ہے اور قانون جزا کو بھی یہاں کوئی دھکا نہیں لگا۔ کیونکہ جس وقت تبدیلی کے واقعہ کا ظہور ہوا اسی وقت جو تکلیف یا مصیبت کہ بدکار کے دل کو نیکی کی طرف رجوع ہونے میں ہوئی وہی اس کی سزا تھی۔ تم کیا یہ چاہتے ہو کہ کسی بدکار کو کولہو میں ڈال کر پیل ڈالو یا سل بٹے سے اس کو پیس ڈالو۔ یہ حمق اور نادانی ہے۔ قدرت جانتی ہے کہ کس کو کیسی سزا دینی چاہیے اور اس کے کام کرنے کے ڈھنگ عجیب و غریب ہوا کرتے ہیں۔ یہاں نہ دائمی دوزخ ہے نہ دائمی بہشت ہے۔ نہ دائمی رنج ہے نہ دائمی آرام ہے۔ **صوفی**۔ نیکی اور بدی کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے؟ **شیو**۔ جو خیال یا جو

عمل ذات سے صحبت و قربت کا موقعہ بخشتا ہے وہ نیک ہے اور جو دوری یا فاصلہ کی حالت قایم کرتا ہے وہ بد ہے۔ صوفی۔ تو کیا جو نیک اور بد اعمال کے تذکرے دینیات میں اہل دین نے قایم کئے ہیں غلط ہیں۔ شیو۔ یہ ہم نے کب کہا۔ تم کو صرف اصول بتا دیا۔ اگر تم فروعات اور تفصیلی مدات میں اٹکتے ہو تو اٹکا کرو۔ ہم کیا کریں اور کوئی کیا کرے مگر اصل اصول وہی ہے جس کا بیان کر دیا گیا ہے۔ صوفی۔ اس کی ذرا مزید صراحت کر دیجئے۔

شیو۔ مباش درپئے آزار ہرچہ خواہی کن کہ در طریقت ما غیر ازیں گناہے نیست

دیگر

مئے خور مصحف بسوز و آتش اندر کعبہ زن ہرچہ خواہی کن مگر ہرگز دلآزاری مکن

صوفی۔ اس دلآزاری نہ کرنے کا مقصد کیا ہے؟ شیو۔ وہی جو اوپر کہا گیا کیوں کہ جس شئے کو تم آزار دیتے ہو یا ستاتے ہو وہ بھی اپنی جنس اپنی ذات۔ اپنا وجود اور اپنی اصل ہے۔ اس کو ستا کر تم اپنے اور اس کے درمیان تفرقہ کی حالت قایم کرتے ہو اور توحید کے راستہ سے دُور جا پڑتے ہو۔ صوفی۔ تو کیا ہم گوشت وغیرہ کے کھانے سے بھی پرہیزگار بن جائیں کیونکہ اس سے بھی تو ضرور دلآزاری ہوتی ہے شیو۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ اس سے دلآزاری ہوتی ہے تو اس کے ترک کرنے ہی میں خیریت ہے۔ ورنہ وہ ذات کے علم حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوگا۔

صوفی۔ آپ شیطان کو کیا سمجھتے ہیں؟ شیو۔ تم شیطان کو کیا سمجھتے ہو۔ صوفی۔ ہم تو اس کو رحمان کا ضد، خدا کا دشمن اور خدا کا مقابل اور خدا کا گمراہ کرنے والا جانتے

ہیں۔ شیو۔ کیا تم نے کبھی شیطان کی زیارت بھی کی ہے؟ صوفی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ شیطان اور زیارت! ہم تو اس پر اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے صد ہزار لعنت بھیجا کرتے ہیں۔ شیو۔ تب تو تم پورے مشرک پورے ملحد اور پورے گمراہ ہو۔ صوفی۔ لاحول ولا قوۃ۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ ہم تو موحد ہیں اور توحید کے دلدادہ ہیں۔ شیو۔ بھائی معاف کرنا۔ ناراض نہ ہونا۔ جب تم خدا اور شیطان دونوں ہی کی ہستی کے قایل ہوئے تو پھر وحدت اور توحید کہاں رہی۔ دوئی میں یکتائی محال ہے۔ ضدین کی موجودگی میں توحید کا خیال وہم و گمان ہے۔ صوفی۔ آپ کی بات اثر تو کرتی ہے۔ بے شک دو کے ماننے میں توحید تو نہیں ہے مگر یہ تو بتائیے۔ کیا آپ شیطان کے قایل نہیں ہیں؟ شیو۔ قایل بھی ہیں اور نہیں بھی ہیں۔ صوفی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ شیو۔ کیونکہ خدا اور شیطان دونوں ہی کے ملاپ میں توحید ہے۔ گفتگو کے وقت تو ہم شیطان کا لفظ چاہے بھلے ہی استعمال کر لیں مگر اصل میں ہم اس کو وہمی، فرضی اور خیالی سمجھتے ہیں۔ صوفی۔ اگر میں آپ کے اثبات کے پہلو کے نظریے بقول آپ کے وہی سوال کروں کہ کیا آپ نے شیطان کی زیارت کی ہے تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟ شیو۔ ہمارا جواب اثبات میں ہوگا۔ ہم تو کہیں گے کہ ہاں شیطان کو دیکھا ہے اور اب بھی دیکھ رہے ہیں۔ صوفی۔ اچھا۔ بھلا آپ کو شیطان کہاں نظر آیا۔ ہم نے کبھی اس کی صورت نہیں دیکھی؟ شیو۔ ہم تو اس وقت شیطان کو اپنے سامنے بیٹھا دیکھ رہے ہیں۔ صوفی۔ کیا آپ کا مطلب مجھ سے ہے۔ کیونکہ میرے سوائے اور تو کوئی یہاں موجود نہیں ہے۔ لاحول ولا قوۃ۔ دیکھئے آپ

دلآزاری کرنے پر مائل ہوئے اور اپنے اصول سے گر گئے۔ شیو۔ بھائی اگر تم نکتہ
سمجھنے کے لئے آئے ہو تب تم کو صبر اور تحمل کے ساتھ باتیں سننی چاہئیں اور اگر
بلا ضرورت محض اپنے وہم بیجا کی وجہ سے ناراض ہوتے ہو تو بالخیر شما سلامت
چشم ما روشن دل ما شاد۔ گفتگو کا سلسلہ بند کر دو۔ ہم نے یہ کب کہا کہ تم شیطان
ہو۔ صوفی۔ پھر آپ شیطان کس میں دیکھ رہے ہو۔ شیو۔ تم میں دیکھ رہے ہیں۔
صوفی۔ براہ کرم پہیلیاں اور چیستان نہ بوجھوایئے بلکہ صاف صاف کہئے
تاکہ میری سمجھ میں تو آوے؟ شیو۔ دیکھو تمہارا جسم شیطان ہے۔ تمہاری روح
رحمان ہے۔ تمہاری ذات خدا ہے۔ تمہاری صفات ابلیس ہیں۔ تم میں جو
اصلیت چھپی ہے وہ خدا کا نور ہے اور تم میں جو جہالت نمایاں ہے وہ ابلیس
کی ضلالت ہے۔ خدا اور شیطان، اہرمن اور یزدان، ابلیس اور رحمان
صرف انسان کے فرضی نقطۂ خیال کے وہمی وجود ہیں ورنہ اصلیت میں اگر
نسبت کے تعلقات کو توڑ دو تو نہ کہیں خدا رہتا ہے نہ شیطان رہتا ہے۔
صوفی۔ پھر کیا رہتا ہے۔ آخر کچھ رہنا بھی چاہئے یا نہیں؟ شیو۔ تمہاری
ذات باقی رہ جاتی ہے۔ یہی باقی ہے۔ باقی سب فانی ہے۔ صوفی۔ تو کیا
خدا بھی فانی ہے؟ شیو۔ یہ تم خود سمجھ سکتے ہو۔ ہم سے کیوں کہلواتے ہو۔ تم
صوفی بھی ہو یا یونہی امتیازی نام رکھ چھوڑا ہے۔ صوفی۔ میں تو نہیں سمجھ
سکتا؟ شیو۔ تو پھر ہم کیا کریں۔ صوفی۔ آپ سمجھائیے اور کیا کیجئے گا۔ شیو۔
اگر تم اپنی ذات ہی کو خدا مان لو تو پھر شک اور اعتراض کی کہاں گنجائش
رہ جاتی ہے۔ کیا ہم میں بقا، اور ذات خدا نہیں ہے۔ تم اس سے جدا کب ہو؟

صوفی۔ بس بس۔ اب سمجھ میں آگیا۔

صوفی۔ خدا کو سب سے پیاری شئے کیا ہے؟ شیو۔ سب سے پیارا اس کو شیطان ہے
صوفی۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ شیو۔ یہ بتاؤ۔ تم کو سب سے پیاری چیز کیا ہے؟
صوفی۔ خدا پیارا ہے۔ شیو۔ غلط کہتے ہو۔ کیا تم نے کبھی خدا کو دیکھا بھی ہے؟
اگر دیکھا ہے تب تو کہنا سننا لاحاصل ہے اور اگر نہیں دیکھا ہے تو دوست!
خدا بینی، خدا رسی اور خدا یابی کی ڈینگیں نہ مارو۔ یہاں کوئی مسلمان پابند
شرع نہیں بیٹھا ہوا ہے جو تم سے دست بہ گریبان ہوگا۔ ڈرتے کیوں ہو۔
صاف صاف لفظوں میں اقرار کیوں نہیں کرتے۔ صوفی۔ کیا آپ نے خدا
کو دیکھا ہے؟ شیو۔ ہاں دیکھا ہے اور اب بھی دیکھتے ہیں۔ صوفی۔ کہاں دیکھا ہے
اور کہاں دیکھ رہے ہو؟ شیو۔ تم میں دیکھ رہے ہیں اور اپنے میں دیکھ رہے ہیں
اور ہر شئے میں دیکھ رہے ہیں۔ تم کودن شاگرد ہو۔ ابھی عرفان کا نکتہ بتایا اور
ابھی بھول گئے۔ کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تمہارا جسم شیطان ہے اور
تمہاری روح خدا ہے۔ صوفی۔ ہاں آپ نے کہا تو ضرور تھا۔ شیو۔ پھر
صوفی۔ پھر یہ کہ میں نے اس کو اچھی طرح ذہن نشین نہیں کیا؟ شیو۔ پھر ہم
کیا کریں؟

چشم بینا ہو تو آئینہ دکھانا چاہئے — اور دانا دل کو بس نکتہ سجھانا چاہئے
اصل میں اور نقل میں جھگڑا اگر ہو کس بات کا — نورِ حق سایہ کے پردے میں دکھانا چاہئے

صوفی۔ بات تو آپ سچی سچی کہتے ہیں۔ اس طرح صفائی کے ساتھ کسی صوفی نے بھی

نہیں کہا ہے۔ شیو۔ تب پھر الجھتے کیوں ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں سمجھتے۔
صوفی۔ ابھی تک دل میں وہی تعلیم کے مذبذب اثرات باقی ہیں۔ یہ وجہ ہو گی۔ شیو۔ سنو ؎

گہ چیاں بنماید و گاہ بے چنیں　　جز پریشانی کہ باشد کار دیں

دین اور دنیا دونوں کو میٹو۔ تب اصلیت کی طرف طبیعت رجوع ہو گی اور اگر دین اور دنیا دونوں چاہتے ہو تو پھر تم جانو اور تمہارا کام۔ کوئی کیا کرے۔ کیوں نہیں کہتے ؎

ما مغیمانِ کوئے دلداریم　　رُخ بہ دنیا و دیں نمی آریم

صوفی۔ وہ سوال تو جیوں کا تیوں ہی رہا۔ میں نے پوچھا تھا خدا کس کو پیار کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔ خدا شیطان کو سب سے زیادہ پیار کرتا ہے اس کو اگر آپ سمجھا دیجئے تو بڑی مہربانی ہو گی؟ **شیو**۔ جو شئے سب سے پہلے ذات سے برآمد ہوئی تھی وہ اس کا عکس تھی اور اسی عکس کا نام شیطان ہے۔ یہی وصف ہے اسی پر نظر پڑی اور وہ منظور ہو گیا۔ منظور کہتے ہیں نظر کئے گئے یا پیار کو اور ناظر نظر منظور کی تثلیث پیدا ہو گئی۔ ناظر ذات ہے یا شاہد مطلق ہے منظور شیطان ہے یا دنیا ہے یا کائنات ہے۔ ان دونوں کی درمیانی برزخی حالت نظر ہے۔ اب تم سمجھو کہ جس پر نظر پڑتی ہے وہ پیارا ہوتا ہے یا نہیں۔ تمہاری نگاہ خود بار بار جسم پر پڑتی ہے۔ اس لئے تم میں اس کا پیار ہے جو تم میں ہے وہی اس میں ہے اور جو اس میں ہے وہی تم میں ہے اس سے زیادہ صاف صاف اور کیا کہلوانے ہو۔
صوفی۔ تو آپ کی دانست میں خدا کی قدرتِ کاملہ کا نام شیطان ہے اور کچھ نہیں

شیو۔ ہاں جی ہاں۔ بات تو یہی ہے مگر لوگ لطیف خیال کو نہیں سمجھتے ہیں۔ اس کے سمجھانے کے لئے کثیف قصے اور کہانیاں گڑھ لیتے ہیں۔ بعد کو لوگ قصے کہانیوں میں اٹکے رہتے ہیں اور اصل مطلب مفقود ہو جاتا ہے۔

قدرتِ کامل کا شیطاں نام دنیا میں ہوا جو نہیں سمجھے یہ اس کو گُرِبتانا چاہیئے

صوفی۔ لیکن یہ جو کہا جاتا ہے کہ شیطان گمراہ کرنے والا ہے اس میں کہاں تک سچائی ہے شیو۔ اس میں ویسے ہی سچائی ہے۔ جیسے کوئی انسان کہے کہ مجھ کو میرے نفس نے گمراہ کر دیا۔ مجھ کو میرے جسمی تعلقات نے دنیا میں پھنسا دیا۔ اب اگر سوچو تو نفس تم سے جدا نہیں۔ ہے اور جس وقت تمہاری نگاہ صفات کو چھوڑ کر ذات کی طرف رجوع ہو گی۔ تم جسم کی طرف سے بے پرواہ بے تعلق ہو کر اپنی ذات میں ہستی محض، سرور محض اور علم محض کی خوشی تلاش کرو گے اسی نظر سے کہا جاتا ہے کہ شیطان کو چھوڑ کر رحمان کی طرف چلو۔ صوفی۔ یہ بات تو سمجھ میں آ گئی مگر شیطان کو معلم الملکوت کیوں کہا گیا شیو۔ اس وجہ سے کہ اگر یہ نہ ہوتا تو فرشتوں کے رگ خیال کے حرکت دینے کا سامان نہ ہوتا۔ تم دنیا کو دیکھ کر علم حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح فرشتوں نے شیطان کو دیکھ کر علم قدوسی کا پتہ پایا۔ اگر یہ دنیا جو قدرت کی کھلی ہوئی کتاب ہے سامنے نہ ہو تو کس کو کیا علم حاصل ہو گا ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

صوفی۔ واہ۔ واہ۔ کیا اچھی تاویل ہے۔ کیا اچھی تشریح ہے۔ کیا اچھی تفسیر ہے۔ شیو۔ سمجھو اور زیادہ تعریف نہ کرو۔ چونکہ تم میں خود سمجھ بوجھ کا مادہ ہے۔ اسلئے

یہ باتیں تمہاری سمجھ میں آتی ہیں ورنہ ہم لاکھ سمجھاتے اگر تم دینی جھگڑوں میں پھنسے ہوتے تو کبھی بھی نہ سمجھتے۔ **صوفی**۔ بندہ نواز! یہ تو سمجھ میں آگیا مگر ایک بات اور باقی رہی جاتی ہے۔ **شیو**۔ وہ کیا ہے اُسے بھی کہہ ڈالئے؟ **صوفی**۔ یہ فرمائیے مقدس نوشتہ جات میں لکھا ہوا ہے کہ خدا نے شیطان سے کہا کہ آدم کو سجدہ کر۔ اس نے نافرمانی کی۔ مردود ہوا اور سارے فرشتے جنہوں نے آدم کو سجدہ کیا تھا مقبول بارگاہ ایزدی ہوئے۔ اس میں کیا بھید ہے؟ **شیو**۔ اس وقت تم نے پتہ کی بات پوچھی حقیقت یوں ہے کہ ذات خدا کا نام ہے۔ صفات شیطان کا نام ہے اور فرشتے قدرت کی لطیف طاقتوں کا نام ہے۔ جس وقت کہ یہ دنیا پیدا ہوگئی۔ خدا نے چاہا کہ کسی خاص مخلوق میں اپنی مجموعی حیثیت کی نقل قایم کرے جس میں اعلیٰ و ادنیٰ اور برزخی حالتوں کا شمول ہو اور یہ صورت مجسم انسان کی شکل میں قایم کی گئی۔ جس طرح خدا کائنات اور عالم کبیر کا مالک ہے اُسی طرح اور اسی شکل میں انسان بھی مجموعی اتحاد ثلاثہ کا تماشہ ہے اور عالم صغیر کا مالک ہے۔ وہ اس دنیا میں خدا کا خلیفہ اور خدا کا نایب ہے جو کوئی الوہیت کے راز کے سمجھنے کا شوق رکھتا ہو وہ صرف انسان کو مطالعہ کرے اس میں تمام مدارج موجود ہیں۔ شیطان نے جو قدرت کامل کی کثیف شکل ہے جو ہر شئے کو اپنی مقناطیسی کشش سے اپنی طرف کھینچنا چاہتی ہے انسان کی فضیلت کو تسلیم نہیں کیا اس لئے وہ سب سے نیچے طبقہ میں قایم ہوا۔ یہ اس کے مردود ہونے سے مراد ہے ورنہ یہاں کہیں محدودیت ہے نہ مقبولیت ہے۔ **صوفی**۔ خوب یہ بھی تاویل اچھی رہی۔ اب ایک سوال باقی رہا جاتا ہے۔ **شیو**۔ وہ بھی دل سے باہر

نکال ڈالئے تاکہ کوئی کسر اور کمی باقی نہ رہ جائے۔ صوفی۔ یہ فرمائیے یہ گورکھ دھندھا آخر کیوں کیا۔ اس کی علت غائی کیا ہے۔ شیلو۔ تم نے بہت اونچا اور بہت بڑا سوال کیا ہے۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ تم آج ہمارے پاس آکر یہ سوال کرتے۔ اگر دنیا نہ ہوتی تو نہ تم کو سوال کرنے کا موقع حاصل تھا نہ ہم کو جواب دینے کا۔

صوفی۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی؟ شیلو۔ بھلا بات کیا ہونی تھی کہنے کو تو ہم نے سب کچھ کہہ دیا۔ اس سے زیادہ اور کیا واضح کیا جائے ۔

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو　　　کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بہ حکمت این معمہ را

صوفی۔ پھر بھی کچھ تو ضرور کہیئے؟ شیلو۔ بہت اچھا۔ آپ کا حکم سر اور آنکھوں پر۔ سنئے ذات میں وصف کا خاصہ پوشیدہ ہے۔ وہ ظہور میں آنے کا خواہشمند رہتا ہے کیوں ایسا ہے اس کا جواب ہمارے پاس موجود نہیں ہے اور آپ بھول کر سوال بھی نہ کیجئے گا۔ صرف اتنا ہی سمجھ لیجئے ۔

نکو رد تاب مستوری ندارد　　　چو در بندی سر از روزن بر آرد

صوفی۔ ٹھیک ہے۔ آج علمی اور عقلی نقطۂ نگاہ سے میں نے تصوف کے مرحلے طے کئے خوب خوب سمجھ میں آگیا جو بات نہ کتابوں میں پڑھی تھی نہ کسی باکمال سے سنی تھی آج آپ کے کلام سے سن بھی لیا اور اس کی وضاحت بھی ہو گئی۔ سچ مچ اگر یہ گورکھ دھندہ نہ ہوتا تو ذات کو جزوی اور مجموعی طور پر اپنے مشاہدہ کا موقعہ نہ ہاتھ آتا۔

کیا ہے دنیا؟ آئینہ ہے معرفت اور ذات کا　　　آئینہ کو دیکھ کر صورت پہ جانا چاہیئے

کیا ہے شیطان آئینہ ہے عقل اور ادراک کا　　　آئینہ کو دیکھ کر صورت دکھانا چاہیئے

دوسرا اجلاس
فقیر اور شیو
خواب و بیداری

خوابست کہ در خواب ببینی آن را   دنیا خوابے ست و زندگی در روے

فقیر۔ کیا وجہ ہے کہ خواب کے واقعات خاتمہ پر نہیں آنے پاتے کہ نیند کھل جاتی ہے بیداری کی حالات کی طرح پھر دوسرے دن ان کا سلسلہ شروع نہیں کیا جاتا۔ شیو تمہارے سوال میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ خواب کے واقعات کا خاتمہ ہونے نہیں پاتا اور نیند کھل جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ جیسے زندگی کے کاروبار کا سلسلہ روزانہ جاری رہتا ہے اور سو کر اٹھنے پر پھر ہم اس کو کرنے لگتے ہیں وہ بات خواب میں نظر نہیں آتی۔ ان میں سے تم کس سوال کا جواب چاہتے ہو؟ فقیر۔ دونوں ہی باتوں کے جواب مطلوب ہیں مگر پہلے خواب کے ادھورے واقعہ کے متعلق فرمائیے۔ شیو۔ ہماری سمجھ میں تو خواب و بیداری دونوں کے کاروبار کی ایک سی صورت ہے دونوں ہی ادھورے رہ جاتے ہیں۔ مکمل کوئی بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ سوال اصل میں غلط ہے فقیر۔ نہیں ہم صاف دیکھتے ہیں کہ دنیا میں لوگ مکان بنوانے کا ارادہ کرتے ہیں اور اس کو بنوا لیتے ہیں مگر خواب میں یہ بات کمتر ہوتی ہے۔ ایک شخص کچھ کر رہا ہے نیند کھل گئی اور پھر وہ تماشہ ختم ہو گیا۔

شیبو۔ تم نے "کمتر" کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے ہمارا بھی اتفاق ہے۔ اگر بہتر کہے ہوتے تو شاید ہم متفق نہ ہوتے۔ واقعی ایسا ہی ہوتا ہے لیکن بیداری کے واقعات پر غور کرو۔ کتنے خیال دل میں آتے رہتے ہیں۔ کیا سب کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے خیالات تو اسی وقت دل میں پیدا ہوتے اور اسی وقت مر جاتے ہیں اور اُن کی یاد تک باقی نہیں رہتی۔ یہی حال خواب کے واقعات کا بھی ہے کوئی یاد رہتا ہے کوئی بھول جاتا ہے جو یاد رہتے ہیں وہ دوسری مرتبہ نیند کے وقت جاگ اُٹھتے ہیں اور آدمی پھر ویسے ہی خواب دیکھنے لگتا ہے۔ بسا اوقات خواب دیکھتے وقت یاد بھی آجاتی ہے کہ ہم نے اس کو پہلے بھی کبھی دیکھا ہے۔ اس قسم کے تماشے اور نظارے خواب میں بھی ہوا کرتے ہیں۔ اور اسی لئے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ایک مرتبہ کا دیکھا ہوا خواب دوبارہ نظر آوے بلکہ اکثر ایسا بھی ہوا کرتا ہے کہ جہاں ہم نے کسی خواب کے واقعہ کو چھوڑ دیا تھا وہاں ہی سے پھر اس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے مگر شاذ اور اس لئے اس کو اہمیت اور وقعت نہیں دی جاتی۔ فقیر۔ مگر بیداری کے واقعات میں جو توارد اور تواتر ہے وہ خواب کے واقعات میں نہیں ہے۔ شیبو۔ اس کا جواب ہم نے تم کو دیدیا ہے۔ توارد اور تواتر بھی صرف خیال کی مضبوطی پر منحصر رہتے ہیں۔ تم اور ساری دنیا کے آدمیوں نے چونکہ خواب کو محض فرضی اور وہمی سمجھ رکھا ہے اس لئے اس میں کمزوری رہتی ہے بیداری کو چونکہ اصلی سمجھ رکھا ہے اس لئے اس میں نسبتاً و مقابلتاً مضبوطی رہتی ہے اسی لئے اس کمزوری اور مضبوطی کا ہر دو حالت کے واقعات پر اثر پڑتا ہے۔ اگر بیداری کی طرح خواب کو بھی زور اور طاقت مل جائے تو اس کا بھی وہی حال ہو اور آدمی

روز روز وہی خواب دیکھا کرے۔ **فقیر**۔ تو پھر آپ کی سمجھ میں بیداری دنیا ہے
اور خواب عقبیٰ ہے **شیو**۔ بیشک بات تو یہی ہے۔ **فقیر**۔ مگر عقبیٰ تو مرنے کے بعد
حاصل ہوتی ہے۔ **شیو**۔ موت اور زندگی صرف تبدیلی کا نام ہے ورنہ نہ کہیں موت
ہے نہ زندگی ہے۔ یوں تو لحہ لحہ میں مرتے اور جیتے رہتے ہیں۔ ایک خیال پیدا ہوا
اس کے بعد دوسرا آیا۔ پہلا مر گیا۔ دوسرا زندہ ہے اور تیسرے کے آتے ہی اس کی بھی موت
ہو جاتی ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ اسی طرح نہ تو ہم مرتے ہیں نہ جیتے ہیں۔ صرف خیال ہی
مرتے جیتے رہتے ہیں۔ جس طرح سمندر میں جوار بھاٹے آتے ہیں۔ "یکے ہمی رود دیگرے
ہمی آید"۔ سمندر کو کچھ نقصان نہیں پہونچتا۔ وہ تو جیسا ہے ویسا ہی ہے اسی طرح
ذات میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ تبدیلی صرف خیال کے مد و جزر میں ہے اور اسی خیال
میں دنیا و عقبیٰ۔ بیداری و خواب۔ لوک و پرلوک اور موت و زندگی کے نظارے
ہوا کرتے ہیں **شیو**۔ ہاں یہ ممکن ہے صرف خواب اور بیداری کے درمیان برزخی حالت
کے اندر رہنے کے عمل کرنے سے اس کا امکان ہو سکتا ہے۔ **فقیر**۔ یہ عمل کس طرح ہو؟
شیو۔ سُرت شبد یوگ کے ابھیاس میں یہ بھی ایک مرحلہ آتا ہے خواب و بیداری
بیداری و خواب و سُشُپتی اور خواب و سُشُپتی و بیداری کی درمیانی حالتوں کا
پتہ صرف ابھیاس کے کرنے ہی سے لگتا ہے۔ یوں تو تم دل پہ ذرا جبر کر کے سونے
کے لئے جاؤ تو احتیاط رکھو۔ جو خواب کی حالت آنے والی ہے یکبارگی اس میں نہ
چلے جاؤ۔ بلکہ ذرا ٹھہرنے کا جتن کرو۔ دو چار روز بعد خود بخود مشاق ہونے
لگے گی ایسی حالت کو سنسکرت میں سندھیا کہتے ہیں۔ سندھیا دو مختلف اوقات
دو مختلف حالات اور دو مختلف واقعات کے ملاپ کا نام ہے۔ ظاہر پرست

ظاہر بینیا جو صرف سطح پر نگاہ رکھتے ہیں اس کا خارجی، ظاہری اور باہری خیال
مضبوط کرلیتے ہیں اور صبح وشام و شام و صبح کے ملاپ پر بندگی و عبادت کو
مقدم سمجھتے ہیں۔ وہ غلطی پر نہیں ہیں۔ جہاں تک ان کا خیال ہے صحیح ہے۔ مگر
اس کے کچھ اور بھی معنی ہیں۔ فقیر۔ خوب! آپ تو ہندو شاستروں کے چترگی وغیرہ
کا امکان اور ان کی برزخی حالت یعنی سندھیا کا ظہور ایک دن رات میں ہو سکتا
ہے۔ شیو۔ بیشک ایسا ہی ہے۔ دن سرشٹی ہے۔ رات پرلے ہے۔ بیداری
سرشٹی ہے اور نیند پرلے ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہ اس امتدادی حالت کی
نقلیں اور عکسی صورتیں ہیں۔ اس لئے ہر آدمی کے روزانہ بیوہار میں ست جگ
ترتیا دواپر اور کلی یگ کے دور آتے رہتے ہیں۔ صبح ست جگ ہے جس میں
دل کو ہر قسم کی تازگی فرحت اور مسرت کا موقع حاصل ہے۔ دوسرا پہر ترتیا
ہے جس میں ان حالتوں کے صرف $\frac{3}{4}$ حصہ کا امکان ہے۔ دوپہر کے بعد تیسرے
پہر میں دواپر ہے جس میں صرف $\frac{1}{2}$ حصہ رہتا ہے اور چوتھے پہر میں کلی یگ
ہے جس میں صرف $\frac{1}{4}$ حصہ زندگی رہتی ہے۔ کیونکہ اس وقت تکان، ماندگی
اور آلس آجاتا ہے۔ اس کے بعد رات یعنی پرلے کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی طرح دنیا
میں زندگی موت، پیدائش اور خاتمہ کے نظارے ہوا کرتے ہیں۔ فقیر۔ کیا یہ ممکن
ہے کہ آدمی جیتے جی ست یگ کا آنند بھوگے؟ شیو۔ کیوں نہیں۔ ساری باتیں دل
کی مضبوطی و خیال کی یکسوئی کی مشاقی اور دلی یکسوئی پر منحصر ہیں۔ فقیر۔ اس کا
اندازہ کیسے لگے؟ شیو۔ اس کا اندازہ انسان کے سونے جاگنے سے لگایا جا سکتا
ہے۔ جو زیادہ بیدار رہتے ہیں، وہ گویا ست جگی ہیں۔ جن میں زیادہ آلس اور

سستی ہے وہ گھور کلجگی ہیں۔ ست جگ میں پرکاش، نور اور اجالا رہتا ہے کلجگ میں اندھکار۔ اندھیرا اور تاریکی رہتی ہے مگر یہ حالت جبر و محنت کی نہیں ہے اور نہ خواہ مخواہ جاگتے رہنے کی محنت و کوشش کرنے سے آتی ہے بلکہ جس کے دل و دماغ وغیرہ روحانی ارتقاد کے اصول کے بموجب نشو و نما یافتہ ہو گئے ہیں۔ ان میں خود بخود یہ کیفیت رہتی ہے اور وہ زیادہ خوش رہتے ہیں اور ان ہی کی نسبت کہا جاتا ہے ع

خوش حال کسانیکہ بہر حال خوش اند

اکثر فقرا شب زندہ دار اور اکثر سنت و سادھو بیدار رہتے ہیں۔ ان کی شب زندہ داری اور بیداری میں یہ اصول کام کرتا ہے۔ باقی اگر کوئی حرصی آدمی ان کی حرص کرے تو اس کی تندرستی میں فرق آجائے گا کیونکہ ابھی تک اس میں دلی و عقلی نشو و نما کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ یہ حالت آہستہ آہستہ ابھیاس کرنے سے آتی ہے۔

تیسرا اجلاس (مسلسل)

میں یہ نکتہ اچھی طرح سے سمجھ گیا۔ اب بتائیے کیا نجات کا استحقاق ہر جوگو ہے۔ شیو۔ جو قید بند کی حالت میں ہیں جن کو قید سے چھٹکارا پانے کا خیال ہے ان کو نجات تو ملے گی ہی۔ جن کو قید بند کا خیال ہی نہیں ان کے لئے نجات بے معنی ہے۔ جہاں بے صبری ہے وہاں ہی صبر ہوگا۔ جہاں بے صبری اور بے قراری

کا خیال پیٹ بھر کر ناچ نچائے گا خود بخود صبر اور قرار کی حالت دوڑتی ہوئی چلی آئے گی۔ ناچ سے پہلے نہ محفل کا اہتمام ہوتا ہے نہ ارباب نشاط کی جگمگٹ کا۔ محفل ختم ہو گئی۔ پھر نہ وہ ساز ہے نہ سامان ہے۔ وہی لق و دق میدان اور ہُو حق کا سامان۔ اسی طرح یہ دنیا ہے اور اس کے سب کاروبار ہیں۔ اُپنشد کا مقولہ ہے۔ "پہلے آزادی تھی بعد کو پھر آزادی ہو گی۔ قید اور بند صرف درمیانی حالت ہے۔" تقریر اور خاموشی ہماری سمجھ میں دونوں ہی الجھن ہیں یا تو آدمی ایک طرف ہو جائے اور جس رنگ میں رنگا ہوا ہے اسی میں خوب کھیلے ؎

دو چیز تیرۂ عقل است دم فروبستن　　بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

فقیر آخر اس قید و بند سے چھٹکارا کیسے ہو؟ شیو۔ اول تو انسان کو بے فکر ہو کر اپنا کام کرنا چاہیئے۔ جس خیال کو دل دیا ہے۔ اسی کا ہو کر اس کو حد تک پہنچا دینا چاہیئے۔ خود بخود خوشگوار حالت کا ظہور ہو گا کیونکہ ہر کام ہر بات ہر خیال اور ہر شے کی انتہا ہوتی ہے اور وہ ہو کر رہے گی۔ دوسرے اگر کسی وجہ سے وہ پسند نہیں ہے تو اس کی ضد کا عمل کرنا چاہیئے مگر عمل بھی پورا پورا ہو تب تو اس کا لطف حاصل ہو گا اور جو یونہی کام کیا گیا تو نہ ادھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے۔ دین بھی گیا دنیا بھی گئی۔ دونوں باتیں خود انسان کی اپنی کوشش اور محنت پر موقوف ہیں۔ اس میں اور کسی کا اختیار نہیں ہے ؎

اپنے اُرجھے اُرجھیاں دیکھے سب سنسار　　اپنے سُر جھے سُرجھیاں یہ گورو گیان بچار

اگر بولتے ہو تو خوب بولو۔ روکا کس نے ہے؟ اگر چپکی سادھ لی ہو تو ایسی

چکی سادھو کہ اس کی حد کر دو۔ ورنہ کھیل چونتھ ہو جائے گا۔ لوگ ساری عمر شغل و ریاضت کرتے ہیں اور پھر بھی اُن کو شکایت رہتی ہے کہ ہم نے عرفان کا کوئی مرحلہ طے نہیں کیا۔ وہ مرحلے طے کیسے کرتے۔ دل میں تو چنچلتا اور دوچتائی تھی بیچے ہو کر کام میں نہیں لگتے تھے۔ فایدہ ہوتا تو کیسے ہوتا۔ جب دنیا کے بیوپار اور دنیا کے کاروبار میں بھی دل کے یکسو کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو پھر ریاضت اور مجاہدہ میں وہ کیوں نہ ہوگی انسان جس طرف اپنی توجہ کی ساری طاقتوں کو لگا دیتا ہے تو اس سے حیرت خیز اور تعجب انگیز نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ سارا کھیل توجہ کا ہے۔ جب دل ہی نہ دیا جائے گا تو نتیجہ کیا خاک ہوگا؟ شیخ جی بیٹھے خدا کا تصور اور دھیان کرنے کے لئے اور دل ان کا گھر بار لڑکے بیوی اور عزت و حرمت کی طرف ہے کہئے خدا کیسے ملے؟ اور اگر اس پر بھی وہ شکایت کرتے ہیں تو شکایت بیجا ہے۔

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں ایں خیال است و محال است و جنوں

ہمارے پاس اکثر آدمی بوڑھے اور عمر رسیدہ آیا کرتے ہیں جنھوں نے سانولے شاہ کا ست سنگ کیا۔ حضور مہاراج کے درشن کئے۔ پنڈت صاحب کی صحبت میں بیٹھے۔ سرکار صاحب کا اپدیش سنا۔ مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں جیسے کورے آئے تھے ویسے ہی کورے رہے عمریں گنوا دیں اور ساری عمر ان کی روتے ہی جھینکتے گذری کہئے اس میں کس کا قصور تھا۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

چوتھا اجلاس (مسلسل)

فقیر۔ سبحان اللہ کیا بہتر نکتہ بتایا آپ نے۔ اب اتنا اور بتا دیجیے کہ یہ جو انسان خواب دیکھتا ہے کیوں دیکھتا ہے شیئو۔ اس کے کئی سبب ہیں۔ اول تو اس کے دل میں مدتوں سے طرح طرح کے خیالی اثرات نقش بنکر متمکن ہو گئے ہیں دوسرے وہ ہر روز اپنے دل میں نئے نئے منصوبے پیدا کرتا رہتا ہے۔ تیسرا اسکا روزانہ کام روزانہ میل ملاپ اور روزانہ عمل و شغل قانونِ عادت کے بموجب اپنے عکسی اثرات جماتا رہتا ہے۔ چوتھے وہ جہاں جہاں گیا ہے جو جو چیزیں دیکھی ہیں ان کا گہرا نقش پڑا ہوا ہے۔ پانچویں جو خواہشیں پوری ہو گئیں یا ادھوری رہ گئیں وہ ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ جب تک وہ جاگتا رہتا ہے تب تک یہ دبی پڑی رہتی ہیں۔ جہاں یہ عالمِ خواب میں گیا اسیوقت اس کا ابھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ فقیر۔ کیا ممکن ہے کہ یہ سب یکبارگی اپنا تماشہ دکھائیں شیئو۔ نہیں ان میں تعدد، تواتر اور تعددی کے اصول عارض رہتے ہیں۔ فقیر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ شیئو۔ وجہ یہ ہے کہ جو اثرات مضبوط ہیں کھلنے پر آجاتے ہیں اور کھل کھیلتے ہیں جو کمزور رہتے ہیں وہ دبے پڑے رہتے ہیں۔ جب ان کو موقع ملتا ہے تب ابھر کھڑے ہوتے ہیں۔ تم ایک وقت میں سارے ہی کام تو نہیں کر لیتے۔ رفتہ رفتہ قاعدہ کے ساتھ یکے بعد دیگرے کام ہوتے ہیں۔ جب جس کا وقت آتا ہے تب وہ ظہور کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جب تک وقت نہیں آتا

تب تک ان کا بیوہار نہیں ہوتا۔

یہ وقت کسی کو کچھ ملا ہے   پتا کہیں حکم بن ہلا ہے

فقیر۔ تب تو خواب کے نظاروں میں بھی زمان اور مکان حائل ہیں؟ شیو۔ وہ حائل کیوں نہ ہوتے کیوں کہ بیداری کی طرح خواب کے کرشمے بھی کال کی رچنا میں ہوتے ہیں۔ جیسا یہ ویسا ہی وہ۔ اگر کال کی سرشٹی سے باہر چلے جاؤ تو مکان اور زمان کے قیود سے نجات ہو جائے گی۔ جب تک اس میں ہو تب تک لامکان اور لازمان نہیں ہو سکتے۔ فقیر۔ کال کی تعریف کیا ہے؟ شیو۔ واقعات کے تواتر اور تواتر کا نام کال ہے۔ واقعات کے یکے بعد دیگرے ظہور سے وقت کی تمیز اور تفریق و تقسیم ہوتی ہے۔ جب تک واقعات ہیں تب تک وقت کی حس ہے۔ واقعات موقوف ہو جائیں پھر وقت بھی اثر انداز نہ ہو یہ کال کی تعریف ہے اور اسی کال میں ہر قسم کی تمیز کا موقعہ ہاتھ آتا ہے۔ کال کے رہتے ہوئے امتیازی علامات کا محو کرنا کٹھن ہے۔ فقیر۔ کیا دنیا کے کاروبار میں ایسی مثال دی جا سکتی ہے جس سے وقت کی معدومیت کا علم ہو سکے؟ شیو۔ ہاں، مثلاً جب تم ایک رخ، یک دل اور یکسو ہو جاتے ہو اس وقت وقت کو بھول جاتے ہو۔ دل کسی کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ اس کام کی مجسم شکل بن گیا۔ اس وقت خبر بھی نہیں پڑتی کہ وقت کہاں آیا اور کہاں گیا۔ فقیر۔ یہ سچ ہے کہ اس حالت میں وقت معلوم نہیں ہوتا مگر وہ معدوم تو نہیں ہوا وقت تو جیوں کا تیوں رہا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے آنے جانے اور گزرنے کی خبر نہیں پڑی۔ شیو۔ خبر کا نہ پڑنا ہی معدومیت ہے۔ اصل میں نہ کوئی

چیز ہست ہوتی ہے نہ معدوم ہوتی ہے بقا اور فنا وغیرہ صرف نسبتی الفاظ ہیں وہ جیسے ہیں ویسے ہیں۔ ہم نے صرف سمجھنے بوجھنے کے واسطے نسبتی مدارج قایم کر لئے ہیں۔ **فقیر**۔ پھر بات کیا ہوئی مضمون تو جیوں کا تیوں رہا۔ **شیو**۔ جیوں کا تیوں تو اس کو رہنا ہی چاہئے اور اگر اچھی طرح تم اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ وہ جیوں کا تیوں ہے تو پھر استفسار اور سمجھ بوجھ کی ضرورت باقی نہیں رہتی سمجھ بوجھ تو صرف امتیازی دقیقے ہیں۔ امتیاز مٹ گیا۔ اسی کا نام ذات ہے اس میں کال نہیں ہے۔ یوں ہوا کرے وہ تم سے کیا لینا ہے اور کیا دینا ہے۔ **فقیر**۔ تو پھر کیا توحید یا وحدت اسی کو کہتے ہیں؟ **شیو**۔ ہاں اسی کو کہتے ہیں۔ کام کرتے وقت کام کا روپ ہو جانا وحدت ہے۔ اس وقت کام چاہے بھلے ہوا کرے تم کام سے الگ نہیں ہوتے اور نہ کام تم سے علیحدہ کیا جا سکتا ہے دونوں ملکر ایک ہیں۔ اسی طرح جس وقت قوت واہمہ کی پختگی خدا کے خیال کے ساتھ تعلق کا رشتہ جوڑ لیتی ہے انسان کو اس کے خیال سے علیحدہ کرنا مشکل امر ہو جاتا ہے۔ اگر خیال یکسو ہو جائے تو اور کیا چاہئے۔ تمہارے لئے دنیا غائب ہو گئی چاہے وہ رہے یا نہ رہے۔ تم سے تو اس کو مطلب نہیں ہے۔ سمندر میں لہریں اٹھا کریں۔ سمندر کا وہ کیا بگاڑتے ہیں اور سمندر کی یکتائی میں ان کی وجہ سے کیا فرق آتا ہے۔ وہ تو جیسا ہے ویسا ہے۔ **فقیر**۔ شکر ہے یہ نکتہ بھی میری سمجھ میں آگیا۔ اب یہ فرمائیے کہ خواب کے تماشے معدوم کیسے ہوں۔ کیونکہ فرض کیا مجھ کو لڑکپن میں یا جوانی میں کسی کے ساتھ کسی قسم کا تعلق تھا۔ اب خواب میں جب میں جاتا ہوں۔ اسی سے ہمکلامی ہمدوشی اور ہاتھا پائی ہوتی ہے۔ چاہتا

ہوں کہ وہ دل سے نکل جائے مگر نہیں نکلتا۔ خواب کو تو جانے دیجئے۔ جب عمل وشغل میں بیٹھتا ہوں تب بھی وہی نقشہ خیالی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ویسے ہی کاروبار ہونے لگتے ہیں۔ شیو۔ تم نے ایک ساتھ بہت سی باتیں کہہ ڈالیں ایک ایک ہوں تو اُن کا جواب بھی دیا جائے مگر کچھ مضائقہ نہیں۔ ہم ان کو سمجھانے کی کوشش کریں گے۔ تمہاری پہلی بات یہ تھی کہ پرانے خیال محو اور منفک کر دئے جائیں۔ یہ اس وقت میں ممکن ہے جب اس کی طرف سے ویراگ یعنی ترک کے خیال کو حد درجے کی مضبوطی نصیب ہو۔ جب ویراگ پختگی کی حالت میں آجائے گا یہ آپ ہی جلکر خاک ہو جائیں گے اور پھر نہ ستائیں گے اس لئے اس سے بچنے کا اکیلا طریقہ یہ ہے کہ ویراگ کا ابھیاس کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عمل وشغل کے وقت جو صورتیں سامنے آکر دلکشی اور دلفریبی کا تماشہ دکھاتی ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ شاغل ترقی کرتا ہوا بیداری میں خواب کے مرحلے میں پہنچ جاتا ہے جو تم کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ بیداری میں خواب کی حالت تک کسی نہ کسی طرح رسائی تو کسی درجے تک حاصل ہوتی ہے۔ اب یا تو وہ اس حالتِ خواب کو عمل مشاقی سے بیداری کی حالت بنالے اور ایک ہی خیال سے کام رکھے یا دونوں حالتوں کے اوپر چلا جائے تب اس سے چھٹکارا ہو جائے گا۔ سمجھے کہ نہیں فقیر۔ خوب سمجھا۔ بات سمجھ میں آگئی۔ واقعی یہ ایک نکتہ ہے اس کی سمجھ کمتر شاغلوں کو ہوتی ہے۔ شیو۔ اور بھی کچھ سوال کرتے ہو کہ بس۔ فقیر۔ یہ جو صورتیں خواب میں نظر آتی ہیں اصلی ہیں یا غیر اصلی۔ شیو۔ خوب! ساری رامائن پڑھ گئے

اور پھر پوچھنے لگے کہ راون راکشس تھا یا رام۔ مرد آدمی! یہ تو تم کو پہلے ہی بتا دیا گیا کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ تمہارے دل کی اُپج ہے۔ خیال کا بیج دل میں پڑا رہتا ہے۔ وہی انکھوا لیتا ہے اور اسی میں پھول پھل آتے ہیں۔ ان سب کے پیدا کرنے والے تم ہی ہو جو پیدا کرتا ہے وہی مِٹا بھی سکتا ہے۔ یہ دوسرے کا کام نہیں فقیر۔ مگر میں اس کو کیسے مانوں۔ جب میں خواب میں اکثر نئے نئے ملک نئے نئے آدمی اور نئے نئے تماشے دیکھتا ہوں جن کا اس زندگی میں کبھی امکان بھی نہیں ہے کبھی کبھی ایسے نورانی انسان نظر آ گئے ہیں کہ جن میں ہاتھ پانوں کچھ بھی نہیں۔ صرف چہرہ ہی چہرہ تھا شیو۔ یار تم تو بڑے ادھکاری معلوم ہوتے ہو۔ اگر اس قسم کے خواب تم نے کبھی دیکھے ہیں تو یقین کرنا چاہئے کہ نادانستہ تم کو اپنے دل کے بھیتر عالمِ ارواح کے اندر سیر کرنے کا موقع ملا کرتا ہے۔ سنو تمہاری زندگی کچھ آج کی تو نہیں ہے۔ نہ معلوم تم کن کن آسمانی کروں سے گزرتے ہوئے یہاں آئے ہو۔ یہ چکر تو ہزاروں برس سے ہے۔ ممکن ہے تم کبھی سورج لوک میں رہے ہو کبھی چندر میں رہے ہو کبھی اور ستارے میں تمہاری بود و باش رہی ہو کیونکہ یہ تمام اجرامِ سماوی حقیقت میں ارواح کے مسکن ہیں۔ یہ آسمان کے معلق قندیل نہیں ہیں جیسا عام طور پر لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ ان میں بھی جاندار بستے ہیں اور ان کے عمل اور شغل کمی و بیشی کے ساتھ انسانوں کے سے ہوا کرتے ہیں پس اگر تم نے خواب میں ان کے نظارے دیکھے تو تعجب کیا ہوا۔ ان کے اثرات تو تمہارے دل میں پہلے ہی سے موجود ہیں۔ جس عجیب الخلقت مخلوق کا ذکر تم نے کیا ہے وہ نورانی اور بالائی کروں کے رہنے والے ہیں۔ تم سے

کھول کر کیا کہا جائے اور بغیر کھولے ہوئے رہا بھی نہیں جاتا۔ بات یہ ہے کہ اوپر کے طبقہ میں جو مخلوق بستی ہے اس کا صرف گولا گولا چہرہ ہی ہوا کرتا ہے۔ اس چہرے میں تمام لطیف طاقتوں کے سامان رہتے ہیں۔ وہاں کی مخلوق صرف خیال سے کام کرتی ہے۔ ان میں کثیف حواس ہماری طرح نہیں ہوتے۔ ان کا بیوپار لطیف حواس تک رہتا ہے مگر جب وہی مخلوق اتر کر نیچے کے طبقہ میں آجاتی ہے تو ضرورتاً مصلحتاً اور قدرت ان کو کثیف حواس بھی بخشتی ہے تاکہ کثیف طبقہ میں رہ کر کثیف حواس سے اپنا کام لے سکیں کیونکہ یہاں محض لطیف اندریوں سے کام نہیں چلتا۔ کثیف چیزیں کثیف ہی اوزاروں سے پکڑی جاسکتی ہیں اور اس نظر سے تمہارا ایسی مخلوق کا خواب دیکھنا کم سے کم ہمارے لئے تعجب کی بات نہیں ہے اگر تمہارے لئے یا اوروں کے لئے ہو تو ہم کیا کہیں۔ **فقیر۔** آپ نے پھر ایک نیا نکتہ بتایا۔ اب اگر آپ ذرا مہربانی کرکے اس کی اور صراحت کر دیں تو میری تشفی ہو جائے کہ لطیف اور کثیف حواس میں کیا نسبت ہے اور یہ کیسے پیدا ہو جاتے ہیں۔ **شیو۔** ابتدا میں جب زندگی کا ظہور ہوتا ہے تو وہ گولاکار یعنی مدور شکل میں ظاہر ہوتی ہے چنانچہ اونچے طبقوں کی ساری مخلوق ایسی ہی اسی شکل والی ہوا کرتی ہے اور وہ خلا میں ویسے ہی گھومتی پھرتی رہتی ہیں جیسے مچھلیاں پانی میں ادھر سے ادھر پھدکتی رہتی ہیں۔ چنانچہ یہ سورج چاند اور ستارے اسی قسم کے مخلوق ہیں۔ ان کو تم بے جان نہ سمجھو۔ یہ ہماری اور تمہاری طرح جاندار ہیں اور ان سے ہم کو زندگیاں ملتی ہیں۔ **فقیر۔** ابھی جناب نے فرمایا کہ یہ ارواح جو

مسکن ہیں۔ ابھی جاندار بتاتے ہیں۔ شیو۔ ہم نے غلط کیا کہا۔ تم بھی جانداروں کے مسکن ہو۔ تم خود بھی جاندار ہو اور ایڑی سے لیکر چوٹی تک تم میں بیشمار مخلوق بستی ہے۔ اسی طرح یہ بھی جاندار ہیں اور جانداروں کے مسکن بھی ہیں۔ فقیر۔ اچھا! ابتدا میں پہلے سر بنا اور سر والی مخلوق نورانی کروں میں بستی ہے یہ میں نے ذہن نشین کر لیا۔ اب اور آگے چلئے۔ شیو۔ جس وقت زندگی کا نیچے کی طرف اُتار ہوا۔ پھر ان میں ہاتھ پاؤں وغیرہ کثیف اندریاں پیدا ہوئیں۔ یہ در اصل لطیف اندریوں کی عکسی صورتیں ہیں اور ان میں بستی حالتیں ہیں۔ صرف لطیف اور کثیف کا فرق ہے یہ ویسے ہی ہیں جیسے مچھلیوں کے جسم میں پیٹے ہوتے ہیں۔ فقیر۔ تو کیا خواب میں ہم ایسی ہی مخلوق کو دیکھا کرتے ہیں۔ شیو۔ بیشک اور اس طرح جتنی خیالی صورتیں خواب میں نظر آتی ہیں وہ سب اسی طرح مختلف کروں کی مخلوق ہیں جن کی عکسی شکلیں تمہارے دل کے آئینہ میں عرصہ سے قایم ہو چکی ہیں۔ فقیر۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انسان کی روح باہر جا کر سیر کیا کرتی ہے کیا یہ غلط ہے۔ شیو۔ سب کچھ تو تمہارے اپنے ہی اندر موجود ہے۔ انسان کا جسم عالم صغیر ہے اس میں خود بھی تمام چاند ستارے سمندر اور پہاڑ موجود ہیں۔ جو عالم کبیر یعنی کائنات میں ہے وہ اجمالی مگر تفصیلی صورت میں انسانی جسم یعنی عالم صغیر میں موجود ہے۔ جس وقت عالم خواب میں روح اونچے مقامات کی طرف رجوع ہوتی ہے ان کو دیکھتی ہے جو اپنے اندر ہیں۔ تمام جنگل بیابان اور پہاڑ اور دریا اسی میں دس کو ملتے ہیں۔

در رہِ روح پست و بالاہست   کوہ ہائے بلند و صحرا ہست

فقیر۔ ٹھیک ہے اب مجھ کو کوئی سوال کرنا باقی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ خیال کی پختگی سے یہ سب خواب کے انتشار بخش نظارے محو کیے جا سکتے ہیں۔ میں اسی کا عمل کروں گا۔ شیو۔ مبارک ہو۔

پانچواں اجلاس (مسلسل)

سادھو و شیو

سادھو۔ آپ ہر وقت یہ کہا کرتے ہو "آپ آپ کو آپ پچھانو۔ کہا اور کا نیک نہ مانو" آپ یہ کیوں نہیں کہا کرتے "رات دِوس ہری سنگ لو لاگے گھٹ سے دُبدھا چِنتا بھاگے" شیو۔ بہت اچھا تم ایسا ہی کہا کرو۔ تمہارا اسی میں فایدہ ہے۔ سادھو۔ مگر ان دونوں میں فرق معلوم ہوتا ہے۔ شیو۔ بیشک فرق ہے۔ سادھو۔ کس طرح۔ شیو۔ جس طرح ایک شخص سیدھے ناک پکڑتا ہے۔ دوسرا ہاتھ کو پیچھے سے لیجا کر وہی کام کرتا ہے۔ سادھو۔ تب تو ایک ہی بات ہوئی۔ شیو۔ اور یہاں وہ کہاں ہیں دنیا میں دو کی گنجایش کا امکان نہیں ہے جو ہے وہ ایک ہی ہے۔ سادھو۔ مگر ایشور اور رعایا دو میں عجز اور حسن کا امتیازی فرق تو ہر جگہ نظر آ رہا ہے۔ اس کی نسبت آپ کیا کہو گے۔ شیو۔ جس نگاہ سے تم ان کو الگ الگ دیکھ رہے ہو۔ اس نگاہ سے

وہ صحیح ہیں۔ جڑ اور چیتن روح اور مادہ شیو اور شکتی، پرش اور پرکرتی دونوں
ہی پرنسیت ہوتے ہیں مگر جس طرح جسم اور روح کا اتحاد تمہاری ہستی میں واحد
اور ایک ہو جاتا ہے اسی طرح سے یہ پرش اور پرکرتی روح اور مادہ ایک ایک
ہیں سب کی مجموعی حالت ایک ہے اور اسی کو ذات اپنا آپا اور اپنا روپ
کہتے ہیں۔ اب سمجھے کہ نہیں۔ سادھو۔ تو کیا ہمارے سوا کوئی نہیں ہے؟ شیو
ہو کیسے سکتا ہے۔ سادھو۔ بات بہت باریک ہے انوبھو تو جانتا ہے اور
خیالی طور پر عین الیقین اور ساکشاتکار کا درجہ قائم کرتا ہے مگر اس میں اٹکاؤ
اور دوہراؤ کی صورت نہیں ہے۔ شیو۔ اسی کو بھرم اگیان اور اودیا کہتے ہیں
سادھو۔ ٹھیک ہے اور جو آپ فرماتے ہیں ٹھیک ہی ہوگا مگر یہ بتائیے
یہ شغل و اشغال سادھن اور ابھیاس، دھیان و دھارنا غلط ہیں؟ شیو
یہ ہم نے کب کہا کہ غلط ہیں؟ تمہارا خیال یہ تھا کہ "آپ آپ کو آپ پہچانو"
کے عوض صرف ایشور کے خیال کو دل دو۔ اور ہم نے اس کے سلسلہ میں
اتحاد، وحدت، احدیت، ایکتا اور ادویتا کا سبق دیدیا تاکہ نگاہ بلند ہو جائے
سادھو۔ پھر ان مذہبی گورکھ دھندوں کی ضرورت کیا باقی رہی؟ شیو۔ سنو۔
جب تک روح اور جسم مل کر یکتائی کے اصول کے کاربند رہتے ہیں تب تک
صحت قائم رہتی ہے اور روح اور جسم کی علیحدگی کا خیال تک نہیں پیدا ہوتا
لیکن جہاں بھرم سے غلطی سے یا غلط انکاری سے ان کے درمیان تفرقہ
پیدا ہوا۔ انسان پریشان و حیران ہونے لگتا ہے پھر دوا علاج کی ضرورت
لاحق ہوتی ہے تاکہ پھر صحت قائم ہو جائے۔ اسی طرح چونکہ اگیان نے خواہ مخواہ

تفرقہ پیدا کر دیا ہے اس کے مٹنے اور مٹانے کے لئے شغل ابھیاس دھیان
دھارنا اور جپ تپ کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ بیمار کے لئے دوا
بھوکے کیلئے روٹی۔ پیاسے کے لئے پانی اور مہجور کے لئے وصال کی ضرورت
ہے اور ہونی بھی چاہئے اگر ضرورت نہ ہو تو پھر وہ غیر ضروری ہو جاتے ہیں۔
اب تم سمجھو۔ اگیان اور بھرم نے اتحاد کے اصول کو دھکا پہنچا دیا۔ تفرقہ
کی صورت پیدا ہو گئی۔ اسی تفرقہ کو جدائی انفصال اور بندھن کہتے ہیں۔
عمل و شغل اس وجہ سے کئے جاتے ہیں کہ یہ تفرقات کسی وجہ سے دور ہوں
اور چونکہ بھرم اور اگیان کی مختلف صورتیں ہیں اس لئے ان کے ضد بھی
مختلف اور متعدد ہوں گے جو جیسا ہو ویسا کرے سب کے لئے ایک سی
تعلیم نہیں ہے اور ہو بھی نہیں سکتی۔ کوئی کرم کرے کوئی ابھیاس کرے کوئی
گیان مارگ پر چلے اور یہ سب طریقے اسی ایک اصول کی تلقین کرتے ہیں
جس کا ماحصل یہ ہے۔

آپ آپ کو آپ پہچانو کہا اور کا نیک نہ مانو

سادھو۔ آپ کا فرمانا درست ہے مگر "آپ اپنا آپا" ایشور تو نہیں ہے
شیو۔ پھر ایشور کیا ہوگا؟ اگر ایشور اپنی ذات نہیں ہے تو پھر اس کی صحبت
دوام کیسے بھرا جا سکے گا کیونکہ یہاں ہم دیکھتے ہیں۔ ہمارا پیار، ہماری محبت
اور ہمارا عشق سب ہمارے ہی واسطے ہے۔ نام کے لئے کوئی لفظ گڑھ لو۔
اس کا مضائقہ نہیں۔ کیونکہ بھرم جیسے پیدا ہوا ہے ویسے ہی جائے گا۔ بھوت
سے ڈرا ہوا آدمی عملیات پر یقین رکھ کر اس خوف کے خیال سے چھوٹتا ہے

تم ایسا ہی کرو جیسا کہتے ہو۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے مگر اصل بات کو سمجھ رکھو۔ سادھو۔ تو پھر کیا جیو شیو ہے؟ شیو۔ نہیں جیو جیو ہے۔ شیو شیو ہے جب تک جیو بنا ہے تب تک شیو بنا نہیں ہے مگر ہم نے تم کو خوب سمجھا دیا ہے شیو نام ہے وحدانیت، احدیت توحید اور ادویت بننے کا۔ اس کو ذہن نشین کر لو اور بس۔ سادھو۔ تو پھر گیان مارگ میں کیوں نہ داخل ہو جائیں وہ تو سہل چیز ہے۔ کیوں سادھن میں پڑیں۔ اس سے ساکشات کار خود بخود ہو جائے گا۔ شیو۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے اور تم کو پورا پورا یقین ہے تو کرو مگر چونکہ تم سادھو ہو اور تم نے سادھن کو اہم تصور کر رکھا ہے، ذرا مشکل سے ادھر توجہ رجوع ہو گی۔ سادھو۔ آپ دونوں ہی باتیں کہتے ہیں۔ میں کس کو صحیح مانوں اور کس کو غیر صحیح۔ شیو۔ جو تم کو رُچے اس کو صحیح مانو ہم نے تم کو تمہارے سوال کا جواب دیدیا اور بس "آپ آپ کو آپ پہچانو" کا مطلب صرف اتنا ہے۔ سادھو۔ کسی پاک بزرگ کا کلام بطور شہادت سنائیے۔ شیو۔ ہمارے یہاں تو سچی شہادت وہ ہے جو اپنے انوبھو سے ملتی ہے مگر خیر تمہارا کہنا خالی نہ جائے سنو:۔

بتے می گفت روزے با برہمن — خدائے من توئی اے بندۂ من
مرا بر صورت خود آفریدی — ولیکن خویشتن را خود ندیدی

اور بھی سنو۔ کوئی گڈریا کسی شیر کے بچے کو بھیڑ اور بکریوں کے گلہ میں لا کر پالنے لگا۔ صحبت کے اثر سے وہ اپنا روپ بھول گیا اور اپنے کو بھیڑ بکری کی طرح سمجھنے لگا۔ اتفاق کی بات ایک شیر کا وہاں گزر ہوا۔ اس کو دیکھتے ہی بکریوں

بھگدڑ پڑ گئی شیر نے شیر کے بچہ کو آواز دی۔ پوچھا تو کون ہے۔ وہ بولا میں بکری ہوں۔ شیر کو شرم معلوم ہوئی۔ اس کے کان پکڑ کر اپنے قریب لایا اور پانی میں عکس دکھا کر کہنے لگا۔ دیکھ تو میرے جیسا شیر ہے کیوں تو نے بکریوں سے تعلق پیدا کر کے اپنے آپ کو بکری بنایا۔ اسی طرح جیو سے برہمہ اور برہمہ سے جیو ہے۔ دودھ اور پانی ملا ہوا ہے۔ ہنس کی طرح دودھ پی لے۔ پانی کو چھوڑ دے۔ کبیر صاحب صدا دیتے ہیں تو بغیر گیان کے بھول اور بھرم میں پھنس گیا۔ ورے کی شئے (اصلی ذات) کو پہچان کر سنسار کے پرے ہو جا۔

خاک شو خاک بشو خاک بہ ہستی انداز
کن فراموش زِ دل حسرت و اندازِ و گداز

چھٹا اجلاس (مسلسل)

ستگور وقت
پنتھائی اور شیو

جب لگ وقت گورو نہیں ملئی	ان ور آگی کا کاج نہ سرئی

پنتھائی۔ ستگور وقت کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ شیو۔ آج کل ہمارے پاس اکثر سنت مت کے معتقد آیا جایا کرتے ہیں اور جو ملتے ہیں

ان میں سے قریب قریب سب یہی سوال کرتے ہیں کہ وقت گوروسے کیا مراد ہے۔ فرداً فرداً جو کچھ ہم نے مناسب سمجھا جواب دے دیا۔ عام طور پر تم اس کی وضاحت کے متعلق یوں سمجھو۔ وقت گوروا س پاک شخصیت کو کہتے ہیں جو اپنے وقت میں ظہور پذیر ہو کر بھگتی بھاو کے درڑھ کرنے کا سادھن بتاتا ہے اور معتقد کے عمل و شغل کو پختگی کا درجہ بخشتا ہے۔ اس حیثیت سے اس کی اہمیت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ انسان بالطبع قدامت پسند ہے۔ وہ بآسانی قدیم اور مروجہ بیوہار کو نہ تو چھوڑتا ہے نہ چھوڑنے کی طرف مایل نظر آتا ہے۔ اسی طرح انسان بالطبع بُت پرستی کا بھی شیدائی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اول تو وہ ایک جمے جمائے خیال کو دل سے نکالنا نہیں چاہتا اور دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ ایسا معبود تلاش کرتا ہے جو بے زبان ہو کیونکہ انسان فطرتاً بہت سہولیت پسند واقع ہوا ہے جو ٹیک اس نے اختیار کی، جو خیالی بُت اس کے دل کے مندر میں قایم ہو گیا ہو گیا۔ اس کے تبدیل کرنے میں اس کو وقت معلوم ہوتی ہے سرشٹی میں قدامت اور احداث دونوں اصول چلتے ہیں۔ گو اصل میں نہ کوئی چیز قدیم ہے نہ کوئی چیز حادث ہے۔ تاہم خلقت کے دورِ تسلسل میں ایک سال آتا ہے دوسرا سال جاتا ہے۔ ایک دن گزرتا ہے دوسرا دن آموجود ہوتا ہے۔ پچھلے سنسکار ہمارے دلوں میں قایم رہتے ہیں اور اگلے سنسکار بھی پیدا ہو کر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اس نظر سے زندگی کی اصلی کارروائی میں قدیم اور حادثات کے خیال کا سلسلہ بھی برابر چلتا

رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو دن گزر گیا گزر گیا۔ اب وہ ہاتھ آنے والا نہیں ہے۔ اس کا خیال وہم باطل ہے۔ کام جو کچھ کرنا ہے آج ہی کرنا ہے اور آج کے دن کو دل دینا ہے۔ آج کا دن ہمارے ہاتھ میں ہے کل کا دن ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اس کے اثرات اور اس کے سنسکار کسی نہ کسی صورت میں دل میں قائم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو تازگی پسند ہونے کی ہدایت بھی کی جاتی ہے کیونکہ اس میں نئی زندگی اور نئی زندگی کے کھیل تماشے کا امکان ہے۔ اس نظر سے جو منطقی نتیجہ اس سے اخذ کیا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ وقت کو بمقابلہ گزشتہ زمانہ کے زیادہ اہمیت ہے۔ اُسی سے اور اُسی میں ہمارا کام بنے گا اور اُسی کے ذریعہ ہم کو ترقی کے مدارج کی تکمیل کا موقع ہاتھ آئے گا۔ بات واضح طور پر صاف کر دی گئی۔ اس میں لگاؤ اور لپیٹ نہیں رکھا گیا جو اہمیت کہ وقت گورو کی ذات کو حاصل ہے۔ وہ متقدمین اور متاخرین کو نہیں ہے گو سرشتی اور نظام آفرینش کے اصول کے بموجب متقدمین کے تجربات و مشاہدات کے اثرات تک قائم ہوں اور باقی ہوں۔ اپنے زمانہ کے مرشد کی طرف سے آنکھ میچنا ایک طرح کی غلطی میں داخل ہے اور وہ غلطی معمولی نہیں بلکہ سخت ترین غلطی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دھنونتری اپنے وقت کا بہت بڑا اور نہایت تجربہ کار حکیم گزرا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاتا اور نہ انکار کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ صدیوں سے اس کے طبی تجربات کے اثر باقی ہیں تاہم آج کل کے مریض کا جو کام وقت کے حکیم سے نکل سکتا ہے

وہ اس سے کبھی ممکن نہیں ہے اور جو لوگ محض اس احمقانہ ٹیک پر اڑے ہوئے ہیں کہ دھنونتری بڑا حکیم تھا اور اس زمانہ کے حکیم کی طرف رجوع نہیں کرتے ہیں۔ اُن کا علاج نہ صرف دشوار بلکہ امر محال ہے کیونکہ ہزار کوشش کی جائے گذشتہ دھنونتری ان کے مرض کی تشخیص کرنے نہیں آئے گا اور نہ زبانی اور ظاہری طور پر اُن کو اپنے ذاتی مشورہ اور صلاح سے فایدہ دے سکے گا جو گزر گیا وہ گزر گیا۔ اسی طرح اور بالکل اسی اصول کے موافق اگر کوئی شخص نادانست گزرے ہوئے گورو کی ٹیک باندھ کر موجودہ وقت کے گورو سے فایدہ نہیں اٹھاتا تو وہ روحانی فیض سے محروم رہے گا یا اگر خیالی طور پر محض خیال اور عقیدہ کے پختہ کرنے کی وجہ سے وہ اپنے طور پر ایک حیثیت میں قایم ہوا ہے تو اس کو خیالی فیض کا فایدہ تو مل جائے گا کیونکہ کسی کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی مگر وہ ادھورے کا ادھورہ رہ جائے گا۔ کمال کا درجہ حاصل نہ کر سکے گا۔ مرزا بیدل نے اپنے ایک شعر میں اس کی نسبت ہی معقول وضاحت کی ہے وہ شعر یہ ہے:۔

پئے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند زحمت جستجو بہ خیال حلقۂ زلف او گرہے خورد بہ ختن درا

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نافہ کی خوشبو اڑ گئی ہے اس کی تلاش میں تکلیف اٹھانا بے سود اور اس لئے زندہ نافہ کے تصور میں ختن تک پہنچنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ یہاں اس کا اشارہ زندہ وجود کی طرف ہے۔ جتنے فقرا گزرے ہیں اور جتنے سنت کہ دنیا میں پرگٹ ہوئے ہیں

سب باآواز بلند وقت گورو کی اہمیت پر زور دیتے رہے۔ اگر کوئی شخص جس کا عقیدہ قدیم گورو کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ اس خیال کو ٹیک کی وجہ سے ترک نہیں کر سکتا تو اس کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ اس گزشتہ بزرگ قابل تعظیم شخصیت کو موجودہ زمانہ کے گورو کی ذات میں قایم کرے اور ان کی طرف رجوع ہو۔ مولوی روم صاحب صوفیوں میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ اس طرح فرماتے ہیں۔

چونکہ کردی ذاتِ مرشد را قبول ہم خدا در ذاتش آمد ہم رسول

مطلب اس کا یہ ہے کہ جب کسی نے مرشد کی ذات کو قبول کر لیا تو وہ یوں سمجھے کہ وہ ذاتِ مرشد میں خدا اور رسول دونوں کی ذات شامل ہے۔ اس کو ہم ایک درشٹانت سے اور بھی واضح کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو پرم سنت کبیر صاحب یا مہاراج گورو نانک صاحب کی ٹیک ہے۔ وہ اس کو نہیں چھوڑ سکتا تو اس کو چاہیئے کہ اس ٹیک کو قایم رکھتے ہوئے موجودہ زمانہ میں جس پاک شخصیت نے کہ روحانی تعلیم کا سلسلہ قایم کیا ہے۔ اس کی طرف مائل ہو اور اسی کو گورو نانک صاحب اور کبیر صاحب کی ذات سمجھے۔ اس میں اس کا نقصان نہیں ہے بلکہ فایدہ ہے ٹیک بھی بنے رہے گی اور ساتھ ہی روحانی اکتساب کا فایدہ بھی حاصل ہوگا اور اگر برعکس اس کے وہ محض ٹیکی ہی ہے تو چاہے خیال کیسا ہی کچھ ہو روحانی [illegible] طے کرنے کے ہمیشہ ناقابل رہے گا۔ یہ بات مستثنیات کے لئے نہیں کہی جاتی کیونکہ مستثنیات "الشاذ و کالمعدوم" ہے

یہ صرف عام طور پر کہی جاتی ہے۔

سوال کا جواب قطعی طور پر صاف ہے۔ اس لئے زیادہ واضح کرنے کی ضرورت ہے نہ اس کو اور واضح کیا جا سکتا ہے مگر اس سوال میں اور بھی کئی پہلو باقی رہتے ہیں اور ان کی طرف سے آنکھ میچنا افسوس کی بات ہوگی۔ تم کو اختیار ہے تم اور سوال بھی کرو۔ ہم جواب دیتے چلیں گے

پنتھائی۔ ہم نے وقت پر ستگورو وقت کی شرن لی۔ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ گپت ہو گئے اور دوسرے گورو پرگٹ ہوئے ہیں تو ہم اب ان کی شرن میں جاویں؟ **شیو**۔ ہم اس کا جواب اس طرح دیتے ہیں اول اگر گپت اور پرگٹ ہونے کا خیال دل پر حاوی ہے اور ہم کو اچھی طرح ذہن نشین ہو گیا ہے کہ ایک گپت ہو گئے اور دوسرے پرگٹ ہو آئے ہیں تب تو بہتر یہی ہے کہ تم فوراً از سر نو موجودہ گورو کے ساتھ تعلق پیدا کرو ورنہ گھاٹے میں رہو گے۔ دوسرے اگر روحانی مراتب کے درجے حد تکمیل کو نہیں پہنچتے ہیں اور تم کو اس کا علم بھی ہے کیونکہ ہر شخص اپنی حالت کا آپ اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہے تو ہماری رائے میں یہ آتا ہے کہ تم ہزار کام چھوڑ کر موجودہ گورو کے سایۂ حمایت میں آجاؤ اور ادھورے کام کے پورے کرنے میں لگو۔ اس میں تمہارا دل سب سے بہتر صلاح کار اور مشیر ہو سکتا ہے کیونکہ تم آپ اپنی کیفیت کو جانتے ہو۔

پنتھائی۔ ہم نے وقت کے ایک گورو کی شرن لی اور انہیں کو وقت کا گورو تسلیم کر لیا۔ اب دوسرے کی نسبت خیال نہیں ہے تو کیا کرنا چاہئے؟ **شیو**۔ اس سوال کا جواب

کبھی ہم دے چکے ہیں پنتھائی۔ ہم صرف ایک گورو کرنا چاہتے ہیں۔ چاہے وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں کام پورا بنا ہو یا ادھورا۔ دوسرے کا دامن نہیں پکڑنا چاہتے شیو۔ تب تو تم ٹیکی ہوئے۔ کسی لڑکی کی کسی شخص کے ساتھ منگنی ہوئی وہ مر گیا۔ لڑکی بن بیاہی ہی رہی۔ کیا وجہ ہے کہ وہ محض منگنی ہو جانے کی وجہ سے دوسری شادی نہ کرے۔ پہلے گرو سے اگر فیض کا اکتساب نہیں ہوا ہے تو یہ تعلق صرف منگنی ہی کہا جا سکتا ہے اس سے نہ وصال ہوا نہ بچہ جننے کی نوبت آئی۔ جب تعلق کا کوئی نتیجہ ہی نہیں ہوا اور اس سے پھل نہیں پیدا ہوئے تو لڑکی اب تک کنواری کی کنواری ہی ہے۔ محض مردہ کے ٹیک سے کیا فایدہ! بہتر ہے کہ وہ شادی کر لے تاکہ کچھ نتیجہ بھی ہو ورنہ ایک طرح پر اس کا سخت نقصان ہے پنتھائی۔ فرض کر لیجئے ہم نے کسی ذات پاک کے ساتھ تعلق پیدا کیا اس کا تصور ہمارے دل میں پختہ ہے۔ کچھ مدارج روحانی بھی طے ہو گئے ہیں۔ عالم رویا میں، عالم استغراق میں یا عمل و شغل کے وقت میں اب بھی ہم کو اس مقدس شخصیت سے اندرونی نفع اور روحانی مدد ملتی رہتی ہے اور ہمارا دل قبول نہیں کرتا کہ ہم پھر از سر نو مرید ہو کر بیعت کریں۔ ایسی حالت میں آپ کیا کہتے ہیں؟ شیو۔ ایسی حالت میں تمہارا سوال کرنا فضول ہے کیونکہ تمہارے لئے گورو گیرت نہیں ہوئے۔ تم کنواری لڑکی نہیں ہو اور نہ وہ مثال تمہارے اوپر صادق آتی ہے۔ جب روحانی طور پر تمہارا دل اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ تم کو اندرونی مدد ملتی جاری ہے تو پھر نیا تعلق پیدا کرنے کی ضرورت

نہیں ہے۔

سنگھ گن سوپرش بچن کدلی پھلے یک بار　　　تریا تیل ہمیر ہٹ چڑھے نہ دوجی بار

اس کا مطلب یہ ہے کہ شیر ایک چال چلتا ہے۔ سیدھا جاتا ہے۔ طغیانی کے وقت اپنی طاقت سے دریا کے پانی کو چیرتا ہوا خطِ مستقیم کی روش پر سیدھا ایک رُخ ہو کر چلتا ہے۔ دائیں بائیں نہیں مڑتا۔ اس کی ایک چال ہوتی ہے۔ اچھے پُرش کا بچن جو منہ سے نکل گیا نکل گیا وہ اَمِٹ اور اٹل ہے۔ کیلے میں صرف ایک مرتبہ پھل آتے ہیں۔ دوبارہ نہیں آتے۔ کنیا صرف ایک مرتبہ بیاہی جاتی ہے۔ دوسری مرتبہ نہیں۔ ہمیر ایک مرتبہ ہٹ کرتا ہے اور اس کو نہیں پلٹتا۔ اسی طرح جنھوں نے گوروکی سچی ٹیک باندھی ہے اور وہ اس ٹیک کا نتیجہ بھی دیکھ رہا ہے تو اس کے لئے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ خواہ مخواہ اپنے عقاید کو تبدیل کرے اور اگر غلطی سے تبدیل کرے گا تو گر جائے گا۔ لغزش آئے گی اور نقصان اُٹھائے گا۔ تمہاری حالت مستثنیات سے ہے اگر تم ایسا کرو گے تو وبھچاری ہو جاؤ گے جس نے کم از کم ترکٹی تک کے مدارج طے کر لئے ہیں اور سچے گورو کا درشن اس مقام پر پا لیا ہے وہ پھر کیا بدلے گا اور بدل کیسے سکتا ہے جب گھٹ میں گورو پرگٹ ہو گئے تو باہر وہ کس ظاہری گورو سے خارجی تعلق پیدا کرے اور اس کی ضرورت کیا ہے۔ خیال پختہ ہے۔ عقیدہ پختہ ہے۔ تصور پختہ ہے اب تبدیلی محال ہے۔

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار　　　جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

دل کی سرا میں اس محبوب عالم نے اپنی جمیعت کے ساتھ ڈیرا جمالیا ساری کوٹھریاں بھر گئیں۔ اب اور اگر مسافر آتے ہیں تو کوٹھریوں کو بھری ہوئی دیکھ کر خود بخود واپس چلے جائیں گے ان کو داخل ہونے کا موقعہ نہیں ہے۔ وہ کہاں رہیں گے کیسے رہیں گے اور کہاں سمائیں گے۔ بہتر ہے کہ آہستہ آہستہ اپنی راہ چلے جاؤ بہکنے اور بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے پنتھائی ایک بات اور دریافت طلب ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ ابھی تک کچھ مرحلے باقی رہ گئے ہیں اگر کوئی صاحب کمال پر گٹ ہو جائے تو اس کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے شیو۔ پھر خامی کا سوال آیا۔ اگر مرحلے باقی ہیں تو معلوم ہوا کہ شادی نہیں ہوئی اور اگر وہ شخص صاحب کمال ہے تو خود تم کو اپنی طرف رجوع کرلے گا اور شادی کرنے پر مجبور کرلے گا۔

شیر اور سنگور و ہمیشہ زندہ شکار کرتے ہیں۔ باقی مردہ خوار ہیں۔

اور اگر یہ سوال معمولی طور پر کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو آداب اخلاق کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ ہر شخص سے تعظیم و محبت سے پیش آنا چاہیئے اگر اس کی صحبت میں جانے کا اتفاق ہو تو اس کی باتوں کو رغبت کے ساتھ سنو۔ چھیڑ چھاڑ کی ضرورت نہیں ہے۔ پنتھائی۔ اگر بالفرض کوئی شخص پہلے گورو کی ٹیک باندھتا ہے اور وقت گورو کی نئی شخصیت کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کا کیا حال ہوگا۔ شیو۔ ایک طور پر تو ہم نے اس کا جواب دیدیا ہے۔ تھوڑی سی اور صراحت کر دیتے ہیں۔ قدرت میں ہر شخص کے دلی جذبات کی تعظیم کا اصول کام کرتا ہے۔ جس کو جس بات کی لگن ہے وہ تو

اس کو پاکر رہے گا اگر آج نہیں تو کل ضرور ملے گا۔ مجبوراً اس کی ٹیک کے
کورو کو اسی رنگ اور روپ سے پرگٹ ہوکر اس کو ہرودینی پڑے گی۔ چاہے
اس میں کتنی ہی مدت کیوں نہ لگ جائے۔ جہاں خیال مضبوط ہے اور وہ
مضبوطی کے ساتھ قایم ہوگیا ہے وہاں وہ اپنا نتیجہ دکھائے ہوئے بغیر
نہیں رہے گا اس کی نسبت پوتھی سار بچن نثر میں بھی تشفی بخش وعدہ
کیا گیا ہے۔ تمہارا جی چاہے اس کو پڑھ کر اپنا اطمینان کرلو گو اطمینان
کی بہتر صورت کا ذریعہ تمہارے دل میں ہے اور تم اس کا انوبھو بھی کرسکتے ہو

ساتواں اجلاس (مسلسل)

تتو وچار

پنتھائی۔ یہ فرمائیے کہ تتوؤں کی پیدایش کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے
شیلو۔ سوال کو ذرا زیادہ واضح کرو تو ہم اس کا جواب دیں۔ پنتھائی۔
میرا مطلب اس بات کے معلوم کرنے کا ہے کہ تتو یعنی عناصر کس سلسلہ کے ساتھ
پیدا ہوئے ہیں۔ شیلو۔ سب سے پہلا تتو آکاش ہے۔ دوسرا اگنی ہے۔ تیسرا
وایو ہے چوتھا جل اور پانچویں پرتھوی ہے۔ سنت مت کی بہترین کتاب
انسان کا جسم ہے سوا اس کتاب کے سنت اور کسی کو مستند نہیں مانتے
ہیں اور نہ کسی کا حوالہ دیتے ہیں۔ اگر تم غور کرو تو خلقت کی اس عجیب و

غریب کتاب میں تتوؤں کی درجہ بندی اور تفریق و تقسیم کے مدارج سمجھ میں آجائیں گے۔ درجہ بندی کی مختصر وضاحت ہم اس طرح کریں گے۔ تیسرا تِل شخصی روح کا ستھان ہے۔ اس سے دو مثبت اور منفی دھاریں متھ کر برآمد ہوئیں اور اسی شکل میں دونوں کانوں میں ظاہر ہوئیں۔ کان آکاش کے ستھان ہیں ان میں ایک اثبات اور دوسری نفی کی صورت ہے۔ کیونکہ اثبات اور نفی ہر جگہ ہیں اور ان ہی سے رچنا ہوتی ہے پرش اور پرکرتی روح کی اسی قسم کی دو دھاریں ہیں اور ان کے میل سے جگت پیدا ہوتا ہے۔ جب آکاش میں متھن ہوئی تو اس سے جو پہلا تتو برآمد ہوا وہ اگنی ہی تھا۔ اگنی اثبات و نفی کی صورتوں میں آنکھوں میں قایم ہوئی پھر جب ان دو دھاروں میں متھنا ہوئی تو ہوا پیدا ہوئی اور اسکی نفی اور اثبات کی دھار ناک کے دو نتھنوں میں موجود ہے پھر جب وایو (ہوا) کا متھن ہوا تو وہ اتر کر اسی شکل سے زبان پر آیا جس سے جل تو پیدا ہوا اور زبان کے دو حصوں میں وہ نفی اور اثبات کی صورت میں موجود ہے اور اسی جل تتو سے پرتھوی پیدا ہوئی جو کھکھار اور کیچھ (کف) کی شکل میں نکلتی ہے۔ اب تم دیکھو تو اس قدرت کی کتاب میں اُن کے تدریجی مدارج پر غور کرو۔ کان کو پہلا، آنکھ کو دوسرا اور ناک کو تیسرا درجہ دیا گیا ہے وعلیٰ ہذا القیاس اس وجہ سے اگنی دوسرا تتو ہے نہ پہلا اور تیسرا۔ اس طرح تو وہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یہ درجہ بندی میری سمجھ میں آتی ہے مگر ایک بات غور کرنے کے قابل ہے بمقابلہ اگنی کے وایو سوکشم اور لطیف ہے۔ اگنی کو ہم دیکھتے ہیں وایو کو نہیں دیکھ سکتے اس لئے ممکن ہے کہ وایو تتو سب سے پہلے آکاش میں اور

آکاش سے پیدا ہوا شیبو۔ اگر تم والیو کو نہیں دیکھ سکتے تو چھو تو سکتے ہو کسی کا علم کسی طرح سے ہوتا ہے اور کسی کا کسی طرح۔ اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ ہم تو آگ ہی کو دوسرا تتو سمجھتے ہیں اور اگر تم غور کرو تو اسی نظر آنے والے شعلوں اور انگاروں ہی کو تو اگنی نہیں کہتے۔ اگنی کا اصلی روپ تو بہت ہی سوکشم ہے وہ لکڑی میں ہے اور پتھر میں بھی ہے۔ لکڑی کو لکڑی سے منتھو۔ رگڑ ادو۔ آگ کا ستھول روپ پرگٹ ہوگا اور تم ان آنکھوں سے دیکھ سکو گے۔ اس کا سوکشم روپ تو اب بھی تم کو نظر نہیں آتا۔ پنتھائی یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے مگر پھر ایک اور خیال پیدا ہوتا ہے کہ آگ سے پانی آنسو کی شکل میں نکلتا ہے اس لئے گمان غالب ہے کہ جل تو آگ سے پیدا ہوتا ہے والیو سے نہیں شیبو۔ مگر آنکھ سے کیچڑ بھی نکلتا ہے یہ نہیں کہتے کہ اسی سے پرتھوی تتو بھی نکلا ہے۔ پنتھائی۔ سچ ہے مگر کیچڑ میں جل بھی تو رہتا ہے اشیبو۔ رہنے کو سب ہی رہتے ہیں۔ آنکھ میں والیو بھی تو ہے اگر والیو کی حرکت نہ ہو تو پھر پانی یا کیچڑ کیسے نکلیں کیونکہ ہوا میں حرکت ہوتی ہے اس لئے آنکھ میں اگر غور کرو تو ہوا پانی اور مٹی بھی موجود ہیں۔ پنتھائی۔ یہ بھی سچ معلوم ہوتا ہے شیبو۔ سچ تو سب کچھ ہے۔ تم کو اصلیت کے سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ تم نے تتووں کی بالترتیب پیدائش کے تعلق میں سوال کیا جو کچھ ہم نے صحیح سمجھا وہ بتا دیا۔ اب اگر اور کچھ پوچھنا ہے تو پوچھو جو ہم جانتے ہیں بتا دیں گے جو نہیں جانتے اس کی نسبت کہہ بھی دیں گے کہ نہیں جانتے۔ پنتھائی۔ اگنی کا روپک پرانوں

میں کیا ہے شیو۔ اگنی کا سروپ وشنو ہے جوست ہے پرکاش ہے اسی طرح
شیو وایو کا اور برہما جل کا ہے۔ پنتھائی۔ کیا پرانوں میں اگنی کی اُپاسنا
کے بیانات آتے ہیں؟ شیو۔ کیوں نہیں پران کیا چیز ہیں۔ خود رگوید کی
پہلی رچا میں اگنی کی استُتی ہے "اگنی میڑھے پُروہتم" وغیرہ۔ اُپ نشدوں
میں پنچ اگنی وِدیا کا تذکرہ آتا ہے لوگ پنچ اگنی تاپتے ہیں۔ ہون یگیہ
وغیرہ میں اگنی ہی کی پوجا ہوتی ہے پنتھائی۔ ممکن ہے وید میں "اگنی"
کا مطلب پرماتما ہو۔ جیسا عام طور پر کہا جاتا ہے۔ شیو۔ پھر وایو۔ جل
پرتھوی۔ آکاش نے کیا قصور کیا ہے جو ان کی تاویل پرماتما کے معنی میں نہ
ہو۔ توحید کی نگاہ سے یوں بھی سب تتو ایک ہی ہیں اور یوں بھی اصلیت
کے لحاظ سے وہ ایک ہی ہیں اور سارے تتو آکاش کی بدلی ہوئی صورتیں
ہیں جیسے دودھ سے دہی، چھاچھ، پنیر وغیرہ بنتے ہیں۔ اصل میں وہ دودھ
روپ ہیں۔ اسی طرح ایک تتو آکاش ہی نے یہ مختلف صورتیں وایو، اگنی، پرتھوی
اور جل کی اختیار کر رکھی ہیں۔ اس جگت میں تم کسی تتو کو اس کی اصلی و
خالص حالت میں نہیں دیکھتے یہ جو کچھ نظر آرہا ہے سب ملاپ اور آمیزش
کی صورت ہے پنتھائی۔ کہیں کہیں بیانات میں جو اختلافات آجاتے ہیں
اس کا سبب کیا ہے؟ شیو۔ اس کا سبب صرف اس وقت کا خاص نقطہ
نگاہ ہے۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ لفظوں میں نہ اٹکیں بلکہ کہنے والے کے مطلب
کو سمجھیں کہ اس کی نظر اس وقت کے مسئلہ کی صراحت کی طرف رجوع ہے
توجہ کو صرف اسی معاملہ کی طرف رجوع رکھنا چاہیئے اوروں کو نظرانداز کرتے

ہوئے اصلیت کا علم حاصل کرنا چاہئے کیونکہ لفظوں میں اٹک رہنے سے حقیقت کے علم کا خون ہو جاتا ہے اور سار سے دور ہو جانے کا خوف رہتا ہے۔ مت یا مذہب کا منشا، صرف بلند نگاہ بنانا ہے تاکہ وہ کم سے کم آتم پد پر اٹکے اور بس۔ پنتھا ی۔ تن ماترا کیا ہیں؟ شیو۔ تن ماترا تتو ول کے پرمانو (ذرات عناصر) اور ان کی لطیف صورتیں ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: شبد، روپ، سپرش، رس، گندھ۔ ان تن ماتراؤں سے ستھول تتو نکلے ہیں اور ان سے ان کا علم ہوتا ہے۔ شبد سے آکاش۔ روپ سے اگنی۔ سپرش سے وایو۔ رس سے جل اور گندھ سے پرتھوی کا ظہور ہوا ہے۔ اب ذرا سوچو اگر روپ پہلے نہ ہوتا تو پھر سپرش کس کا کیا جاتا یعنی ہم چھوتے کس کو؟ اس سے بھی پہلے روپ کا پہلے ہونا پایا جاتا ہے۔ روپ اگنی کے پرمانو (ذرات) کا نام ہے۔ پنتھا ی۔ جب کسی چیز کا نام لیا گیا تو اس کے روپ کا ہونا بھی لازم ہے۔ شیو۔ روپ یعنی شکل کا قیاس تو نام کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور یہ روپ بھی جس معنی میں ہم سمجھ رہے ہیں آکاش کے متھن سے آتا ہے جیسے جل کے متھنے سے جھاگ پیدا ہوتا ہے اور یہی جھاگ مٹی کی صورت ہے لیکن پہلے جل تو ہیں اس کی سابقہ شکل میں مٹی نہیں ہے وہ متھنے سے اس کے اندر سے نکلی اسی طرح اگر آکاش کو اس کی پہلی اور اصلی حالت میں غور کرو تو اس کے پرمانوؤں میں روپ نہیں ہے اور آکاش تتو کے پرمانو اروپ یعنی بغیر شکل والے ہیں۔ اپنے خاص منڈل میں ان کی حالت اس قسم کی ہے۔ نیچے اتر کر پھر وہ متھن کئے جانے سے روپ والے بن گئے جیسے گودودھ

بھا دہی ہو مگر وہ متھنے سے یا جمانے سے پیدا ہوتا ہے۔ دودھ کو نہ دہی کہا جا سکتا ہے نہ دہی کو دودھ کہا جا سکتا ہے۔ آکاش کو اس نظر سے اروپ کہتے ہیں اور جب آکاش کے تتو متھ کر روپ والے ہو جاتے ہیں تو پھر وہی اگنی کہلاتے ہیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ جیسے دہی دودھ سے الگ نہیں ہے ویسے ہی اگنی بھی آکاش سے جدا نہیں ہے اسی میں رہ کر اس کا بیوہار ہوتا ہے اسی طرح اور اسی شکل میں اگنی منڈل میں وایو، وایو منڈل میں جل اور جل منڈل میں پرتھوی کا رہتی ہے۔ صرف ان کے اظہار کی مختلف صورتوں کی وجہ سے ان کے الگ الگ نام پڑ گئے ہیں ورنہ اصل میں سارے تتو آکاش ہی کے روپ ہیں اور آکاش ہی سے بتدریج رفتہ رفتہ پیدا ہوئے ہیں۔ اگر یہ آکاش میں نہ ہوتے تو کیسے پیدا ہوتے مگر جب تک ان کے الگ الگ روپ ہیں تب تک وہ الگ الگ نام سے پکارے جاتے ہیں اور ان کی سمجھ بوجھ بھی انھیں کے سلسلہ میں آتی ہے ورنہ کوئی ان کو کیسے سمجھتا اس لئے ان کی سب سے زیادہ لطیف صورت کا نام آکاش ہے اور وہ جیسے کثیف ہوتے گئے اُن کے الگ الگ نام پڑ گئے۔ پرلے کے وقت پھر یہ الٹ کر اپنے ترتیبی و ترکیبی منڈلوں میں لے ہوتے ہوئے آکاش میں سما جائیں گے اور آکاش روپ ہو جائیں گے۔ پنتھا جی۔ یہ تو میرے ذہن نشین ہو گیا لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی گندھ کا تعلق اگر پرتھوی سے ہے تو پھر ناک میں وہ کیوں قایم ہوا اس کا تعلق کسی اور اندری سے ہونا چاہئے کیونکہ آپ کے کہنے کے موافق ناک زبان سے اونچی ہے اور وہ جل

کا ستھان ہے شِیو۔ سوال مشکل ہے اور جیوں کا تیوں اس کا جواب دینا مشکل ہے اور کامیابی کے ساتھ اسکو سمجھ بھی نہ سکیں گے کیونکہ سوائے ناک کے گندھ کی اور کوئی اِندری نہیں ہے۔ اس کو ہم نے وایو کا ستھان اس لئے بتایا کہ اس سے ہوا کے خارج ہونے اور اندر کی طرف کشش کرنے کا اہتمام ہے۔ یوں تو ہر مخصوص اِندری میں اور تتوں کی خاصیت کے علم حاصل کرنے کا امکان ہے جیسے آنکھ میں پانی اور کیچڑ کی مثال میں دکھایا گیا۔ زبان جہاں ذائقہ کو چکھتی ہے ساتھ ہی اس میں سپرش یعنی چھونے کا امکان بھی ہے۔ ایسا سمجھو کہ ناک دونوں کام سپرش اور گندھ کا دیتی ہے گو سپرش کی اِندری ہاتھ اور چمڑا الگ بھی ہیں چونکہ ہوا بُو کو لاتی ہے اس لئے ناک بنائی گئی کہ ہوا کے اخراج و داخلہ کے ساتھ وہ بُو کو بھی محسوس کرے اسقدر اس وقت سمجھ میں آتا ہے۔ زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ پنتھی اگر زیادہ نہیں کہہ سکتے تو جانے دیجئے۔ جس قدر آپ نے فرمایا ہے وہ کیا کم ہے۔ غرض تو مطلب سے ہے۔ زیادہ بحث کو کیوں طوالت دیجائے تتوں کی بتدریج ترتیبی اظہار کی صورت میری سمجھ میں آگئی۔ اب آپ یہ فرمائیے کہ کیا ان تتوں کے رنگ بھی ہیں؟ شِیو۔ رنگ ہمیشہ روپ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ سنت مت کے نوشتہ جات میں ان کے روپ دئیے گئے ہیں اور ان کی بنیاد سچائی پر ہے لیکن تم جس وقت اس کا رنگ سنو گے معاً کہہ اٹھو گے کہ جب اس میں روپ نہیں تو رنگ کیا ہوگا۔ حالانکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ آکاش ہی میں سب کچھ موجود ہیں اور اسی میں یہ سب

پیدا ہوتے ہیں پنتھای میں بحث نہیں کروں گا۔ صرف واقفیت بڑھانا مقصود ہے شیو۔ نب سنو آکاش کا رنگ سیاہی مائل نیلا بتلایا گیا ہے۔ آگ کا سُرخ ہے وایو کا سبز، جل کا سفید اور پرتھوی کا زرد کہا گیا ہے پنتھای آپ نے بڑی مہربانی کی۔ تتو وچار کے سلسلہ میں سب تتووں کو آکاش میں گھٹا دیا اور ایک طرح پر سچی توحید کا بہترین سبق دیا ہے۔ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا تماشہ ہے۔ ایک میں انیک اور انیک میں ایک کا نظارہ پرکرتی اور مایا میں بھی موجود ہے۔ اس وقت وچار کرنے کے لئے یہی کافی ہے پھر ضرورتاً کبھی حاضر ہو کر اپنے شکوک رفع کروں گا۔ شیو جیسی تمہاری مرضی۔

آٹھواں اجلاس (مسلسل)

مختلف اور متعدد پنتھوں کی موجودگی کا سبب

کبیر پنتھی۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک سوال کروں؟ شیو۔ بیشک آپ کو اختیار ہے جو سوال دل میں پیدا ہوتا ہے اس کو ظاہر کیجئے ورنہ وہ آپ کو بے چین کرتا رہے گا۔ کبیر پنتھی۔ سوال یہ ہے کہ اس ملک میں بہت سے پنتھ کیوں ہیں؟ کیا یہ کام ایک پنتھ سے نہیں نکل سکتا تھا؟ شیو۔ آپ کے دل میں جو بات چھپی ہے وہ ابھی زبان پر نہیں آئی۔ آپ اگر کھل کر گفتگو کرتے تو ہم بھی ویسا

ہی جواب دیتے لیکن پھر بھی جس طرح آپ نے سوال کیا ہے اسی طرح جواب بھی دیا جائے گا۔ دُنیا میں ہر جگہ ہر کام میں کثرت ہے۔ ایک شے کسی خاص غرض کو پوری نہیں کر سکتی۔ اس لئے ضرورت و مصلحت کے موافق وقتاً وقتاً پر کبھی کئی اور متعدد پنتھ پیدا ہو آتے ہیں اگر وہ نہ پیدا ہوں تو پھر وقت اور ضرورت کا مسئلہ کبھی حل نہ ہو اور خاص مزاج والوں کو خاص قسم کی تعلیم سے محرومیت رہے۔ کبیر پنتھی۔ کیا یہ بات ایک پنتھ سے نہیں حاصل ہو سکتی؟ شیو۔ نہیں بالکل غیر ممکن ہے اگر تم ذرا کھل کر سوال کرتے تو ہم بھی کھل کھیلتے۔ کبیر پنتھی۔ جہاں تک پتہ چلتا ہے کبیر صاحب کا پنتھ سب سے پرانا ہے ان سے پہلے اور کسی نے پنتھ نہیں چلایا تھا جیسے سمپرداؤں میں سناتن دھرم سب سے پورانا ہے لیکن عجیب گڑبڑ ہے ہم دیکھتے ہیں کتنے پنتھ چل پڑے ہیں۔ گورونانک صاحب کا نانک پنتھ۔ دادو صاحب کا دادو پنتھ۔ جگ جیون صاحب کا ست نامی پنتھ وغیرہ وغیرہ تعلیم سب کی ایک ہے اور ایک ہی اصول پر مبنی ہے اور سب کے گرنتھوں میں کبیر صاحب ہی کے شبد بھرے پڑے ہیں مگر لوگوں نے نام اور روپ بدل لئے اور ناحق کے جھگڑے میں پڑ گئے اگر سب کبیر صاحب ہی کو مانتے تو کیا ہرج تھا؟ شیو۔ بات تو آپ نے معقول اور سچی کہی ہے۔ اس کا جواب بھی ہم نے ایک طرح پر دیدیا ہے لیکن اب چونکہ آپ نے صاف طور پر کہا ہے ہم کو بھی کہنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ دُنیا میں جو وقتاً فوقتاً طرح طرح کے پنتھ نکل کھڑے ہوتے ہیں ان کا ظہور میں آنا قدرتی بات ہے نظام قدرت کا اصول ہی اس طرح کا ہے کہ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت ہو

جس وقت جو ضرورت کا سوال پیدا ہو جاتا ہے اس کو خاص صورت میں حل کرنے کی ضرورت بھی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً آپ نے یہ مثال دی کہ پہلے دنیا میں شاکت مت کا رواج تھا۔ سب شکتی کی پوجا کرتے تھے۔ ممکن ہے مذہب کے تواریخی نقطہ نگاہ سے یہ بات صحیح ہو اور ممکن ہے غلط بھی ہو مگر ہم اس بحث میں نہ پڑیں گے۔ صرف اصلیت کی طرف توجہ کریں گے۔ فرض کرو کہ سمپردا والوں میں شکتی سمپردا ہی پہلی ہے۔ شکتی ستری لنگ ہے، مونث ہے۔ اس وقت اور اس زمانہ کے لوگ اس تعلیم سے مطمئن تھے بعد کو کوئی آدمی ایسے پیدا ہو گئے جو ستری کے روپ میں ایشور کی پوجا کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ کسی نہ کسی خاص وجہ سے ان کو ضرورت محسوس ہوئی کہ جنس تذکیر یعنی مرد کی صورت میں اس کی پرستش کا ارکان قایم کیا جائے۔ کسی بزرگ نے مصلحت وقت سمجھ کر شیو کی پوجا کا آئین چلا دیا۔ وہ سوال حل ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک وہ جاری رہا۔ اب چونکہ شیو کی شکل زیادہ خوفناک ہے بعض آدمیوں کو خیال ہوا کہ کیا اچھا ہوتا اگر ایشور کی پوجا خوبصورت شکل میں کی جاتی۔ اور اسی وشنو سمپردا کا دنیا میں اہتمام ہوا۔ جس طرح ہر شئے قالب بدلا کرتی ہے اور نئے نئے رنگ میں اپنا ظہور کرتی رہتی ہے اسی طرح مذہب بھی چولا بدلا کرتا ہے اور اس کا نئی شکل میں ظاہر ہوتے رہنا ضروری اور لازمی ہے ورنہ پھر وہ بے مصرف اور نکمی چیز بن جائے گا۔ سمپردائیوں میں اب بھی شکتی پوجا موجود ہے، وہ معدوم نہیں ہو گئی۔ صرف صورت کچھ تبدیل ہو گئی ہے، شیو کے ساتھ ہی پاروتی کی صورت میں بائیں طرف قایم کی گئی ہے۔ وشنو

کے ساتھ وہی لکشمی کے روپ میں موجود ہے۔ خیال میں بھی نشو و نما ہوا کرتا ہے پس جس خیال کے آدمی جس وقت پیدا ہو جاتے ہیں ان کی تسلّی کے لئے ویسے ہی مذہب کے جاری ہونے کا سوال دُنیا میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اصول تو ایک ہی رہتا ہے مگر صورت بدلتی رہتی ہے۔ انسان کی قوت ذہنی اور قوت عقلی ہر وقت ایک سی نہیں ہوتی۔ اس میں بھی فرق پڑتے رہتے ہیں۔ ان میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ جو شئے آج اطمینان کی باعث ہے کل وہ غیر کافی ہو جائے گی اور کل کی ضرورت کے پورے کرنے کا امکان اس میں نہیں ہے اس لئے اس کو بھی انسانی جذبات کا رُخ دیکھ کر کام کرنا پڑے گا۔ مثلاً تم دیکھتے ہو ہمارے ملک میں سب سے پہلا شخص جس نے ویدوں کی تعلیم کو غیر اطمینان بخش سمجھ کر اس کی تردید کا انتظام کیا وہ چارواک ناستک تھا۔ اس وقت اسی خیال کے لوگ کثرت سے موجود تھے۔ ان کا عمل و شغل صرف ظاہری عقلی تمیز تک محدود تھا۔ تھوڑے عرصہ بعد اس کے جادو کا اثر جاتا رہا۔ کیونکہ انسان سوچنے لگے۔ تب کپل رشی نے اپنا فلسفہ ایجاد کیا جو اصل ارتقاء (ایولیوشن) کے مدارج کی صراحت کرتا ہے۔ پھر بتدریج جب وہ غیر کافی ہونے لگا ویدانت نے اپنے ہاتھ پاؤں سنبھالے اور اس نے کثیر آدمیوں کی تسلی و طمانیت کا سامان فراہم کیا یہ تم جانتے ہو تبدیلی قدرت کی جان ہے۔ جب جیسا وقت آتا ہے ویسی تبدیلی ہر شئے میں پیدا ہو جاتی ہے اور اسی کے موافق انسان کے کام ہونے لگتے ہیں۔ یہ سبب ہے کہ نئے نئے پنتھ چل پڑتے ہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ صرف

ایک ہی پنتھ رہے تب تو تم کو درخت سے کہنا چاہئے کہ اس میں ایک ہی شاخ ایک ہی پھول اور ایک ہی پھل آئے۔ ایک ہی دنیا ہو۔ ایک ہی مدرسہ ہو ایک ہی بادشاہ ہو مگر ایسا ہو نہیں سکتا۔ یہ کثرت کا طبقہ ہے۔ یہاں ہر شے میں کثرت کا نظارہ ہے۔ اب آپ نے سمجھا کہ نہیں؟ کبیر پنتھی۔ ہاں سمجھ میں تو کچھ آ گیا مگر میرے سوال کا رخ صرف پنتھائیوں کی طرف تھا۔ اُن کو لازم تھا کہ کبیر صاحب کی تعظیم کرتے نہ شیو۔ کبیر صاحب کی بے عزتی کہاں کی جاتی ہے تم دیکھو ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب کبیر صاحب کے بھجن گاتے اور سنتے ہیں۔ ہاں اگر یہ کہو کہ سب کے سب کبیر پنتھی بن جائیں تو اس کا اہتمام ذرا مشکل سے ہوگا۔ ممکن تو یہ بھی ہے کیونکہ ہر بات کا امکان انسان کی خیالی قوت کی پختگی اور کثیر تعداد کے جذباتِ خیال کے گھنے پن پر موقوف ہے مگر پھر کبیر پنتھ کی شکل وہ نہ رہے گی جس کو تم پیار کرتے ہو اس کو بھی موجودہ زندگی کے اثرات کے زیر اثر آ کر اپنی نئی صورت میں اظہار کرنا ہوگا کیونکہ زمانہ کا رُخ ترقی اور عقلی نمو کی طرف ہے۔ اصول تو وہی رہیں گے۔ اصول کی تاویلی صورتیں مختلف و متعدد ہوں گی جیسا کہ اس وقت مسیحی مذہب کے ساتھ سلوک کیا جا رہا ہے۔ چونکہ اس مذہب میں زیادہ زندہ دلوں کی تعداد شامل ہے وہ اُن تھک محنت کر رہے ہیں اسلئے مسیحی مذہب دنیا میں خوب پھیل رہا ہے اور پھیلتا بھی جاتا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی موجودہ شکل وہی ہے جو پہلے تھی اور اب تو بہت سے مسیحی بھی آواگون کو تسلیم کرنے لگے ہیں اور ان میں ہزاروں تقسیں ہوتی جا رہی

ہیں یہ بات تو ممکن ہے مگر شقوں اور نئی نئی شاخوں کی پیدائش کا روکنا
مشکل ہے کیونکہ دنیا میں مختلف طبایع ہیں ان کو کیا کروگے وہ تو اپنے
خیال کے موافق نیا طریق پیدا ہی کرکے چھوڑیں گے اور چھوٹے چھوٹے
دایرے بناکر اسی کے اردگرد چکر لگاتے رہیں گے۔ کبیر منتھی۔ اس محدودیت
سے کوئی فایدہ بھی ہے؟ شیبو۔ ہاں۔ زمین چوبیس گھنٹوں کے اندر اپنے گرد
چھوٹا دایرہ بناتی ہے۔ ۳۶۵ دن کے اندر بڑا دایرہ خود بخود بن جاتا ہے
اور وہ سورج کے گرد چکر لگا آتی ہے۔ پھر اس نظام شمسی کے سورج کیساتھ
ہوکر اور بھی بڑا دایرہ بناکر ترلوکی کے کسی بڑے سورج کے گرد اور بھی
بڑا دایرہ بناتی ہے اور آخر میں یہ سب مل ملاکر بہت بڑا دایرہ مالک کے
اردگرد لگاتے ہیں جو سب کی ابتدا اور انتہا ہے اور سنت جس کو رادھا
سوامی ست نام اور ست پرش کہتے ہیں۔ یہ سرشٹی ہے۔ اس کے بعد پھر
پرلے آجاتی ہے۔ چھوٹے ہی دایروں سے ہمیشہ بڑے دایرے بنتے ہیں تمہارے
روزآنہ زندگی کے چھوٹے چھوٹے کاروبار اور بیوہار مل کر کسی وقت بڑے کام
کہلاتے ہیں۔ روز روز کی نیکی کا عمل وشغل ایک دن نیکی کی بڑی صورت
بن جاتا ہے۔ اگر یہ مختلف ومتعدد طریقے دنیا میں جاری نہ ہوں تو پھر سب
کو تعلیم کا فایدہ نہیں پہنچتا۔ بڑا دایرہ تو سب کو بنانا ہی ہے مگر وہ جب بنے
گا چھوٹے چھوٹے دایروں میں بنے گا۔ کسی کو کسی سے تعلق اور دلچسپی ہے۔ ایک
شخص سب کو یکساں تعلیم نہیں دے سکتا اس لئے ایسا ہونا لازمی ہے اور یہ ہوکر
رہے گا۔ کسی کے روکنے سے رک نہ سکے گا۔ ہر مذہب کی تواریخ ایسا ہی بتاتی ہیں۔

اور ہر مذہب میں ہر طرح کے خیال کے آدمی موجود ہیں۔ کہاں تک جبر و سختی کرکے ان کو ایک راہ پر لاؤ گے اور وہ آ کیسے سکتے ہیں۔ بچوں کا مذہب اور، جوان کا مذہب اور، بوڑھوں کا اور ہے۔ ان کو اپنی اپنی راہ چلنے دو۔ جب تک اصول کی رسائی نہ ہوگی تفرقات اور اختلاف کا دور ہونا محال ہے۔ تم اپنا کام کرو ان فضول جزویات میں نہ اٹکو ورنہ خود گمراہ ہو جاؤ گے اور کبیر صاحب کے عالمگیر تعلیمی اصول کی سمجھ کبھی نہ آئے گی۔ کبیر پنتھی: خوب یہ آپ نے واقعی اچھا اُپدیش دیا۔ کیا آپ کسی مثال سے تفریقی اور تقسیمی جدّت کو وحدت کے دربار میں ملنے اور مل رہنے کو ثابت کر سکتے ہیں؟ شیو: ثابت کرنا کرانا ہمارا اصول نہیں ہے ہم تو جس خیال میں پڑے ہیں اس کو پختہ کر رہے ہیں۔ ہاں ایک مثال دے سکتے ہیں مگر وہ مثال بھونڈی ہے۔ اگر نفسِ مطلب کی طرف توجہ ہے تو ہمارے مقصد کی سمجھ آئے گی اور اگر توجہ نہیں ہے تو اس کا سمجھنا مشکل ہے۔ سنو۔ ایک افیونی کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو میں کہیں گم ہو جاؤں۔ اس لئے اس نے اپنی سمجھ میں سب سے ممتاز رہنے کے لئے اپنی گردن میں سرخ رنگ کا تاگا (رشتہ) باندھ لیا اور وہ خوش تھا کہ اب وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بآسانی تمیز کرتا رہے گا اور گم نہ ہوگا۔ اتفاق کی بات ایک دن اس کے گھر میں کئی افیونیوں کی دعوت تھی۔ کھا پی کر سب لوگ ایک ہی جگہ سو رہے اور غافل ہو گئے۔ ان میں سے ایک شخص کی نیند اُچٹ گئی۔ اس نے دیکھا میزبان کے گلے میں سرخ رنگ کا تاگا پڑا ہوا ہے۔ اس لئے سوچا ہم سب کے سب افیونی ہیں۔ اس میں کونسا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے جو اس نے گلے میں لال

دکھلاتے ہے۔ آؤ سب کے گلے میں ایسے ہی تار ڈال دیں اور اس نے کسی نہ کسی حکمت سے ایسا ہی کیا اور پھر غافل ہو کر سو رہا۔ صبح کے وقت جب سب جاگ اُٹھے میزبان افیونی دیکھتا کیا ہے کہ اسی کے رنگ اور شکل کی دھجیاں سب کے گلے میں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ سخت حیران اور ششدر ہو کر سب سے پوچھنے لگا "بھائی! یہ بتا دو میں تم سب ہو یا تم سب میں ہوں۔" یہاں تو میں تم وہ یہ سب ایک ہی رنگ میں نظر آتے ہیں۔ کچھ بھید نہیں کھلتا۔ بجنسہٖ یہی کیفیت ان امتیازی مدات کی ہے۔ راہ میں تمام مسافروں نے تمیز کرانے کے لئے پنتھ اور سمپردا بنا رکھے ہیں۔ جس وقت راستہ ختم ہو جائے گا اور منزل مقصود پر پہنچکر دریائے وحدت میں غوطہ لگائیں گے اس وقت یہ تمیز خود بخود رفع ہو جائے گی اور پھر یہ نہ کہہ سکے گا "میں کون ہوں تم کون ہو وہ کون ہے۔ یہ صرف درمیانی مرحلہ ہے اس کو رہنے دو۔ یہ ہمارا نقصان کیا کرتا ہے۔

دیکھیں گے جب کہیں گے اب کچھ کہا نہ جائے — اک دن ایسا ہوئے گا دریا لہر سمائے
راہ باٹ میں ہم چلے دو دو پانچ اور سات — جب دُھرپد میں جائینگے تب پوچھیں گے بات

دنیاوی مذہب والے فضول جھگڑوں میں پڑے رہتے ہیں۔ لینا ایک نہ دینا دو۔ سوت نہ کپاس جولاہوں میں گتھم گتھا۔ ارے بھائی! اگر مذہب کوئی چیز ہے تو اس سے کام لو۔ دوسروں سے کیوں الجھتے ہو۔ وہ تمہارا مذہب ہے کسی اور کا تو نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے کہ سب تمہارے ہی خیال

کے ہوں۔ اپنا کام دیکھو اور چلتے بنو۔ کیوں صحیح ہے کہ نہیں؟ کبیرپنتھی۔ بیشک صحیح ہے آپ نے آج بہت سی باتیں بتائیں اب رخصت ہوتا ہوں شیو۔ بہت خوب۔ گورو تمہارا کلیان کریں!

نواں اجلاس (مسلسل)

پران یوگی اور شیو

پران

کفر میں دین ہے اور دین میں ہے کفر کا رنگ — کفر اور دین نظر بیں ہیں ہمارے ہم سنگ
اصل میں ایک ہیں سب گوہر و مرجان و سنگ — کس لئے کرتے ہیں دیندار عبث ناحق جنگ
اصل کو دیکھیں تو پھر تفرقہ کا نام نہیں — فقر کو کفر سے اور دیں سے کوئی کام نہیں

پران یوگی۔ مہاراج! میں عرصہ سے پرانایام کرتا ہوں۔ شیو۔ بہت اچھا۔ یوگی۔ اچھا تو ہے۔ مگر اب تک اس سے مجھ کو کوئی فایدہ نہیں ہوا میں نے سنا ہے کہ آپ سُرت شبد یوگ کے ابھیاسی ہیں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ اگر اس سے کوئی فایدہ حاصل ہو تو اس کو چھوڑ کر اسی سے تعلق پیدا کروں۔ شیو۔ تم کو کس قسم کا فایدہ مقصود و منظور ہے۔ یوگی۔ میں صرف اصلیت کے حق الیقین اور ساکشاتکار کرنے کا شایق ہوں۔ مدت سے یہ کام کرتا رہا مگر اب تک کسی بات کی خبر نہیں پڑی۔ شیو۔ تمہاری باتوں سے تمہارے عمل میں کئی قسم کے نقص معلوم ہوتے ہیں۔ اول تو تم نے پران کو

نہیں سمجھا کہ وہ اصل میں کیا چیز ہے۔ دوسرے تم کو اس پر پورا پورا وشواس جیسا کہ ہونا چاہئے نہیں ہے ورنہ وشواس کے کام کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ہوتا ہے اور ہو کر رہتا ہے۔ تیسرے اسی وشواس کی کمی کی وجہ سے تمہارا دل یکسو نہیں ہو سکا ورنہ دل کی یکسوئی کا کچھ نہ کچھ لطف حاصل ہوتا ہے۔ چوتھے تم سے پرانایام کا سنجم بھی نہیں بن سکا۔ کیونکہ اس زمانہ میں اس کا سنجم مہا کٹھن ہے۔ پانچویں تم صرف حبس دم کرتے رہے۔ دم سانس کو کہتے ہیں۔ سانس کو روکنے ہی تک تمہارا خیال محدود تھا اور اسی کی روک تھام اخراج اور کشش ہی کو سب کچھ سمجھتے رہے ہو۔ روک تھام کو کمبھک اور خارج کرنے اور کھینچنے کو ریچک پورک کہتے ہیں۔ چھٹویں تم نے صرف ناک کے سرے پر آنکھ جما کر یہ عمل کیا ہے مقامات یوگ کے ستھانوں کا تم کو علم نہیں ہے کیونکہ یہ علم کتابوں سے نہیں ملتا۔ ابھیاسیوں سے اس کا پتہ لگتا ہے۔ ساتویں تم نے کسی پرانایامی یوگی سے سادھن نہیں سیکھا یا تو کتابیں پڑھ کر اناپ شناپ سادھن میں لگے ہو یا کسی ناواقف سے سیکھا ہے جو صرف سانس روکنے کا عمل یوں ہی الل ٹپو (بے تکے پن کے ساتھ) کرتا ہو۔ یہ ناواقف لوگ اپنی سمجھ میں دو تین چار پرانایام کرتے ہیں اور اپنے زعم میں واقفکار بنتے ہیں۔ حالانکہ ان کو پران کی سمجھ تک نہیں ہے۔ یوگی۔ میں اسی غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ اس پران کی اصلیت کا علم آپ سے حاصل کروں حقیقت میں جو کچھ آپ نے کہا ہے یہ سب کے سب نقص مجھ میں موجود ہیں۔ میں نے بغیر سوچے

سمجھے محض اس خیال سے کہ یوگ اچھی چیز ہوگی اور اس کے عامل کو خاص قسم کی طاقتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ عمل کرنا سیکھا اور اناپ شناپ سادھن میں لگ گیا ورنہ اب تک مجھ کو یہ سمجھ نہیں آئی کہ پران چیز کیا ہے اور اس کا عمل کیسے کرنا چاہئے۔ میں پران صرف وایو یعنی ہوا کو سمجھتا رہا ہوں۔

شیو۔ وایو اس میں شک نہیں کہ پران کے اظہار کی ایک حالت کا نام ہے مگر وایو اصلیت کے لحاظ سے پران نہیں ہے۔

یوگی۔ پھر پران کیا چیز ہے؟

شیو۔ پران ایک نہایت وسیع لفظ ہے۔ علماء نے اس کی دس قسمیں مقرر کی ہیں جن کو پران اور اُپ پران کہتے ہیں۔ پران۔ اپان۔ ویان۔ سمان۔ اُودان پنجگیہ پران کہلاتے ہیں اور ناگ۔ کورم۔ دھننجے وغیرہ اُپ پران ہیں۔ تم ان کو سمجھتے ہو اس لئے ان کی تشریح کرنا فضول ہے ہماری سمجھ میں پران قدرت میں ایک خاص قسم کا لطیف جوہر ہے جو دنیا میں تمام قسم کے زور بل اور طاقت کی شکل میں کام کرتا ہے۔ یہ سب میں افضل سب میں اعلیٰ اور سب میں سرایت ہے۔ اسی وجہ سے کہیں کہیں اس پران کو برہمہ بھی کہتے ہیں اور حقیقت میں جس نقطۂ نگاہ سے یہ اس کو برہمہ کہتے ہیں اس میں غلطی نہیں ہے کیونکہ وہ اصل میں اصل کا اصل ہے اور جوہر کا جوہر ہے۔ دنیا کا ظہور دو قسم کی دھاروں سے ہوا ہے۔ ایک پران اور دوسرا آکاش۔ پران تو طاقت اور بل ہے اور آکاش تتووں کی لطیف شکل ہے جس طرح دودھ کو متھانی سے متھنے پر مکھن۔ دہی۔ چھاچھ وغیرہ بنتے ہیں اسی طرح جب آکاش تتو پران سے متھا جاتا ہے اس سے سارے تتو بکنے بعد

دیگر سے پیدا ہوتے ہیں۔ پُرش پران ہے پرکرتی تو ہے۔ ان کی ظاہری صورت
سورج اور چندر ہے۔ سورج پران ہے اور چندر رئی یا مادہ ہے۔ ان ہی کے
میل سے جگت بنتا ہے اور جگت کا بیوہار ہوتا ہے۔ یہ پران محیط کل ہے کوئی
اس سے خالی نہیں ہے اور نہ اس کے بغیر کسی کا کام ہو سکتا ہے۔ یوگی۔ یہ
تو پران کا انوکھا بیان ہے جو نہ کبھی پہلے کسی نے مجھے بتایا تھا نہ میں نے کسی سے
سنا تھا شیشیو۔ بات یہی ہے جو میں نے تم سے کہی ہے۔ اب اگر تم اُپنشدوں
کو پڑھو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں نے غلط نہیں کہا۔ یہ پران لطیف اور
کثیف شکلوں میں ہر جگہ کائنات میں کام کرتا ہے۔ یہ ہمارے جسم میں ایک
دیسی بھی ہے اور سرب ویسی بھی ہے۔ جو شخص پران کو اپنے بس میں کر لے
تو اس کو کسی چیز کے بس میں کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ سارے برہمانڈ
میں اسی کا کھیل ہے۔ ہمارے جسم میں جو مقام اس کے لئے مخصوص ہے
وہ پران مے کوش کہلاتا ہے اور وہ پانچ کوشوں کے درمیان بنایا گیا ہے
حالانکہ یہ سب بھی پران ہی کے اظہار کی مختلف و منفرد صورتیں ہیں پہلا
کوش ان مے ہے جو ستھول شریر سے مراد ہے۔ دوسرا منومے کوش ہے جو
من سے مراد ہے جو سوکشم شریر میں رہتا ہے۔ تیسرا پران مے کوش ہے
جو من کو متحرک رکھتا ہے۔ چوتھا وگیان مے کوش ہے جو بدھی کہلاتا ہے۔
پانچواں آنند مے کوش ہے جو پران کی کارن اوستھا ہے۔ یہ پران ان کے
ذریعہ بس میں کیا جاتا ہے جس کو یہ راز معلوم ہے وہ پران کو پاکر بلوان ہو جاتے
ہیں۔ بولو تو حقیقت میں ہر مخلوق پران سے کام لیتی ہے۔ انسان تو انسان

جانور تک نادانستہ یہی عمل کرتے ہیں۔ بلکہ بعض بعض موقعوں پر تو جانور پرانوں
پر زیادہ قابو رکھنے والے نظر آتے ہیں یہ بات انسان میں کمتر دیکھی جاتی ہے مثلاً
گھوڑوں کو دیکھو وہ پران کے سادھن سے جب چاہیں اپنے کان کو کھڑا کر لیں
تم اپنے کان نہیں کھڑے کر سکتے۔ یہ کیفیت چوپایوں میں بہت دیکھی اور
پائی جاتی ہے۔ انسان کو جو بیماری ہوتی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ بعض
بعض جسم کے حصوں میں ان پرانوں کی کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ یا تو وہ حصہ
اکڑ جاتا ہے یا خالی پڑ جاتا ہے۔ اگر باقاعدہ ہر جگہ پران رہے اور اس کے
بیوہار میں فرق نہ آئے تو کبھی بیماری پیدا نہ ہو۔ یوگی اس کا سادھن کر کے
مضبوط ہو جاتے ہیں اور بیماریوں سے ان کو نجات ہو جاتی ہے اور وہ
زیادہ عمر والے بھی ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ پرانوں کے اصول کو نہیں سمجھتے
اس لئے وہ اپنا علاج نہیں کر سکتے۔ کیونکہ علاج کا سارا بھید پران میں چھپا
ہوا ہے۔ تم جس وقت ہمدردی میں آکر کسی بیمار کے سر پر ہاتھ رکھتے ہو
تو تمہاری انگلیوں کی پوروں سے پران کی دھار نکل کر اس کے جسم میں سرایت
کر جاتی ہے اور اس کو صحت نصیب ہوتی ہے۔ تم اگر کسی پر دم کرتے ہو تو پران
کی بجلی کی دھار تمہارے لبوں کے اندر سے نکل کر مریض کے دل میں جگہ پا لیتی
ہے اور وہ تندرست ہو جاتا ہے۔ یہ طاقتیں بھی انسان کو پران کے سادھن
کرنے سے آتی ہیں گو عامل اصلی معنی میں پران کی اصلیت کے علم سے ناواقف
رہتے ہیں۔ یوگی! اخاہ! پران ایسی زبردست چیز ہے! شیلو۔ اور نہیں تو کیا
تمہارے جسم میں جو کچھ ہے وہ پران ہی تو ہے۔ ساری طاقت، سارا بل سارا

زور پران کا ہے اور خوبی یہ ہے کہ پران میں کبھی کمزوری نہیں آتی۔ پران میں کبھی بیماری نہیں آتی۔ پران کو دکھ درد نہیں ہوتا۔ وہ ایک رس جس طرح جسم میں محیط رہتا ہے اسی طرح برہمانڈ میں بھی محیط ہے اس کو دکھ سکھ میں سے کوئی حالت نہیں ستاتی کیونکہ وہ سب میں سریشٹ اور سب میں بزرگ ہے اور اسی خیال سے کہیں کہیں شاستروں میں پران کو برہمہ کا روپ اور خود کو برہمہ کہا ہے۔ **یوگی**۔ یہ پران کیسے بس میں آتا ہے اور یوگی اس کا سادھن کیسے کرتے ہیں؟ **شیلو**۔ بات یہ ہے کہ ہم تو صرف سُرت شبد یوگ کا ابھیاس کرتے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ اگر یہ سوال تم کسی ایسے شخص سے کرتے جو پران یوگ میں تجربہ رکھتا ہوتا ہم چونکہ سوال کیا گیا ہے کچھ نہ کچھ تو ہم جواب ضرور ہی دیں گے۔ پہلے یوگی ایک جگہ اپنی نظر کو جما کر استھول وایو کے روکنے کا سادھن کرتے ہیں کیونکہ جب تک نس اور ناڑیوں میں حرکت ہے من چنچل رہتا ہے۔ جب یہ شانت ہو گئے تب چت کی ورتیاں جو باہر کی طرف جاتی تھیں رک گئیں۔ اُن کے رکنے سے من کی وہی کیفیت ہو گئی جو جھیل کی ہوتی ہے۔ جب تک ہوا کے جھکولے بہتے تھے تب تک جھیل کا پانی ٹھہرا نہیں تھا اور اس کی تہ کی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ جب ہوا کا بہنا موقوف ہوا۔ اب پانی ٹھہر ہو گیا اور جو چیز کہ اس کی تہ کے اندر پڑی ہوئی ہے اب صاف نظر آ رہی ہے۔ اسی طرح جب من ٹھہر گیا تو اس کے اندر اس شئے کا روپ نظر آتا ہے جس نے جسمانی کل کو حرکت دے رکھا ہے اور پھر آگے کی طرف اس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ لطیف طبقات

سے گزرتے ہوئے جب یہ پران بہت لطیف ہو جاتا ہے تب اس کو شبد بولتے ہیں۔ عام اصطلاح میں تو شبد آکاش کا گن کہا جاتا ہے اور اس کو آواز کے معنی میں تاویل کرتے ہیں۔ شبد آواز بھی ہے آکاش کا جوہر بھی ہے مگر جہاں تک کہ مذہب فقرا سے تعلق ہے شبد قدرت میں اصلی شے وسبب کا خالق، سب کا کرتا دھرتا اور سب کا آدھار سمجھا گیا ہے۔ جب یہ گپت رہتا ہے تب اس کا کوئی نام نہیں ہوتا۔ جب عالم شہود میں آکر یہ پرگھٹ ہوتا ہے تب اس کو شبد کہتے ہیں۔ شبد سے بہتر اور کوئی اصطلاح نہیں ملی۔ اس لئے یہ نام اس کو دیا گیا اگر کوئی شخص اس سے بھی بہتر لفظ گھڑ سکے تو اس کو اختیار ہے۔ یوگی پرانایام کرتے ہوئے جب برہمہ رندر پہنچتا ہے وہ بھی شبد سنتا ہے اور شبد سنتے ہوئے اس میں لے جاتا ہے اسی لے میں سمادھی ہے یہی سبب ہے۔ ہم نے مختلف مذاہب کی کتابیں دیکھیں یوگ کے نوشتہ جات مطالعہ کئے۔ ان سے شبد کی اہمیت کا پتہ لگا۔ ویدوں میں برہمہ کو شبد کہا ہے۔ انجیل میں شبد کو خالق تسلیم کیا گیا ہے اس لئے شبد کی اپاسنا کی تعلیم سنت مت میں مقدم سمجھی گئی اور جگہ تو صرف اشارے اشارے میں یہ بات سمجھائی گئی ہے۔ مثلاً جہاں برہمہ کو شبد کہا گیا ہے وہاں اکثر لوگ غلطی سے شبد کی تاویل نام سے کرتے ہیں۔ انجیل کا مقولہ ہے "ابتدا میں شبد تھا شبد مالک کے ساتھ تھا۔ شبد ہی مالک تھا اور شبد نے سب کچھ پیدا کیا" (یوحنا کی انجیل پہلا باب۔ آیت ۱-۲-۳) ایک صوفی کہتا ہے:-

گر بہ اظہار رو نہ آور دے   نام آواز ایں جہاں نہ بدے

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اگر آواز کا ظہور نہ ہوتا تو یہ دنیا پیدا نہ ہوتی"۔ یوگی۔
شبد کے سادھن میں کیا فایدہ ہے؟ شیلو۔ وہی فایدہ ہے جو پران کے سادھن
میں ہے۔ بشرطیکہ پران کو اور شبد کو اصلی معنی میں سمجھ لیا جائے۔ اس سے
انسان کے بندھن کٹ جاتے ہیں کیونکہ شبد میں نہ کسی سے تعلق ہے
نہ بے تعلقی۔ وہ اصلیت کی طرف انسان کو خودبخود مایل کرتا رہتا ہے
اور جو لوگ اپنے اندر شبد کو سنتے ہیں اور شبد کے نغموں کو گاتے ہیں
وہ بآسانی جگت کے بیوہار کی زنجیروں کو کاٹتے ہوئے اصلیت کی طرف
رجوع ہو جاتے ہیں کیونکہ شبد کو کوئی پاپ نہیں چھو سکتا اور جتنے سادھن
کئے جائیں گے ان میں پاپ کی آمیزش بھی ہو سکتی ہے یوگی۔ اس کے متعلق
کوئی مثال دیجئے تاکہ تتو کی ماہیت سمجھ میں آئے شیلو۔ غالباً اب تمہارے
ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ شبد پران کا بھی جوہر ہے اور اگر تم شبد ہی کو پران سمجھ لو
تب بھی ہمارا کوئی ہرج نہیں ہوتا کیونکہ صرف لفظ ہی کا ہیر پھیر ہے کسی نام
سے اسے پکارو۔ اصلیت میں فرق نہیں۔ گلاب کو چاہے گلاب کہو۔ چاہے
اور کچھ کہو۔ اگر گلاب کا خیال دل میں مسلط اور حاوی ہے تو وہ اپنی خوشبو
لئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ الفاظ اصل میں خیال کے ظاہر کرنے کے صرف
وسیلے ہی ہیں۔ اب ہم تم کو اپنشد کی ایک کتھا سناتے ہیں۔ اس سے کسی قدر
سمجھ میں آئے گا۔ سنو۔ "پرجاپتی کی دو اولادیں تھیں" اسر" اور "دیوتا" ان
دونوں میں لڑائیاں رہا کرتی تھیں دیوتاؤں نے سوچا ہم کیا ترکیب کریں کہ

اسروں پر غالب آویں۔ سوچتے سوچتے یہ بات سمجھ میں آئی کہ اُدگیت کا راگ
گایا جائے تو اسر مغلوب ہو جائیں گے۔ انھوں نے سب سے پہلے سانس کو
اُدگیت سمجھ کر اس کی اُپاسنا کی اسروں نے اس کو پاپ سے چھو دیا۔ اس
لئے وہ بُرا بھلا سونگھنے لگا کیونکہ اس میں پاپ کا امکان ہے تب انھوں
نے بانی کی حیثیت اُدگیت اپاسنا کی۔ اسروں نے اس کو پاپ سے چھو دیا
اس لئے وہ ست اور است دونوں بولتی ہے کیونکہ اس میں پاپ کا امکان
ہے اور پاپ سے چھوئی ہوئی ہے۔ تب انھوں نے بینائی کو ادگیت سمجھ کر
اُپاسنا کی اسروں نے اس کو پاپ سے چھو دیا۔ اس لئے وہ بھلا برا دونوں
دیکھتی ہے کیونکہ پاپ سے چھوئی ہوئی ہے۔ تب انھوں نے قوت سماعت کو
ادگیت سمجھ کر پوجا۔ اسروں نے اس کو بھی پاپ سے چھو دیا۔ اس لئے وہ برا
بھلا دونوں سنتی ہے کیونکہ پاپ سے چھوئی ہوئی ہے اب انھوں نے من کو
اُدگیت سمجھ کر اپاسنا کی اسروں نے اس کو پاپ سے چھو دیا۔ چونکہ اس
میں بری اور بھلی دونوں کامنائیں ہوتی ہیں اس لئے وہ پاپ سے چھوا ہوا ہے
وہ اسروں سے مغلوب ہو گئے آخر مجبور ہو کر انھوں نے پران کی ادگیت کی
طرح اُپاسنا کی۔ اسر جب اس کے پاس پہنچے اس طرح پاش پاش ہو گئے
جیسے مٹی کا گولا پتھر کی چٹان سے ٹکرا کر چور چور ہو جاتا ہے کیونکہ پران میں خوشگوار
اور ناخوشگوار کوئی حالت نہیں ہے اور نہ پران ادھر اُدھر جھکتا ہے جو کچھ پران
کو کھلایا پلایا جاتا ہے اسی سے سب کی پرورش ہوتی ہے۔ آخری وقت
میں جب پران اپنے سہارے کو چھین لیتا ہے یہ حیرت سے منہ تاکتے ہیں

اور مر جاتے ہیں۔ اس لئے پران میں بزرگی ہے۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ پران کیا چیز ہے۔ دوسرے معنی میں یہ شبد ہی ہے شبد ہی ایڑی سے لیکر چوٹی تک محیط ہے۔ آدمی کو بولتا ہوا پرش کہتے ہیں جس وقت شبد نکل جاتا ہے شریر بے حرکت ہو جاتا ہے اس لئے سنت مت میں شبد کی اپاسنا کی تعلیم ہے اور اور اس کے یوگ کو سرت شبد یوگ بولتے ہیں یعنی سرت کو شبد میں ٹھہرانا اور اپنے اندر شبد کو سننا۔ **یوگی**۔ کیا سرت شبد میں بھی وہی مدارج پرتیاہار، دھارنا دھیان اور سمادھی کے آتے ہیں جس کا بیان یوگ کی کتابوں میں ہے؟ **شیو**۔ کیوں نہیں پرتیاہار کہتے ہیں خیال کو بار بار مرکز کی طرف مائل کرنا اور جب تک وہ متحد ہو کر ایک جگہ جمنے نہ لگے تب تک عمل کرتے رہنا یہ پرتیاہار ہے اور جب سرت مرکز پر ٹھہرنے لگی تو اس کو دھارنا بولتے ہیں۔ دھارنا کے معنی دھارن کرنے کے ہیں اور جب یہ دھارنا آجاتی ہے تب اس کو دھیان بولتے ہیں۔ دھیان کے گھنے پن کا نام سمادھی ہے۔ اس سمادھی کی کئی قسمیں ہیں ہم ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے جو وہاں ہے وہی یہاں بھی ہے صرف اصطلاحات کا فرق ہے۔ ہاں پران یوگ میں محنت زیادہ کرنی پڑتی ہے فایدہ کم ہوتا ہے کیونکہ اس زمانہ میں اس کا سنجم نہیں ہو سکتا اور سرت شبد یوگ سہل ہے اس کے عمل میں نہ بیمار ہونے کا خوف ہے نہ اور کسی قسم کا خطرہ ہے۔ **یوگی**۔ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ میری سمجھ میں تو آگیا۔ اب یہ فرمائیے کہ اس سرت شبد کے ذریعے اصلیت کا ساکشاتکار بھی ہوتا ہے؟ اور وہ کیسے ہوتا ہے؟ **شیو**۔ جس وقت عامل باقاعدہ سادھن کرتے ہوئے مختلف روحانی مرحلوں

سے گزرتا ہوا اصلی مقام پر پہنچ جاتا ہے اور شبد یعنی سنا جاتا ہے اسی کا نام ساکشاتکار ہے۔ یوگی۔ تو اس وقت شبد کی دھن سننے میں آتی ہے یا نہیں؟ شیلو۔ اس وقت شبد نہیں سنائی دیتا۔ وہ کیا ہوتا ہے کہنے میں نہیں آتا اور نہ کہا جا سکتا ہے۔ حیرت کا مضمون ہے۔ کبیر صاحب نے اس طرح فرمایا

جاپ مرے اجپا مرے انحد بھی مر جائے
سُرت سمانی شبد میں تا ہی کال نہیں کھائے

یوگی۔ اس ابھیاس میں کیا نام کا سمرن بھی کیا جاتا ہے؟ شیلو۔ شبد کی دھن جو اندر میں پرگٹ ہوتی ہے اس کو سننا اصلی سمرن ہے اور وہی اصلی نام ہے اس کو دھن آتمک نام بولتے ہیں۔ یہی سچا اُدگیت ہے اور انتر میں یہ اس قدر سہانا معلوم ہوتا ہے کہ سادھن کرنے والے کا دل خود اس طرف کھنچتا ہے اور آنند کے ساتھ ابھیاس کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ اس کو جوان بوڑھا۔ مرد۔ عورت سب کر سکتے ہیں۔ یوگی۔ اب تک مجھ کو بھرم تھا کہ سرت شبد یوگ کوئی اور ہی چیز ہے اب آپ کی باتوں سے اس کی اصلیت کا پتہ ملا۔ شیلو۔ حقیقت یوں ہے کہ انسان محض سنی سنائی باتوں پر خیالی قلعے بنانے لگتا ہے اور غلط فہمی کا شکار ہوتا ہے۔ اگر وہ ست سنگ میں بیٹھ کر کچھ دنوں بچن سنے تو آپ ہی آپ ساری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ بغیر ست سنگ کے اس کی سمجھ نہیں آتی۔ کتابیں بھی اکثر گمراہ کر دیتی ہیں۔ یوگی۔ تو میں بھی اب اس یوگ کا سادھن کروں گا۔ شیلو۔ آپ کی مرضی مگر پہلے ست سنگ کر کے اپنے شکوک اچھی طرح رفع کر لیجئے تاکہ دل میں چور نہ رہنے پاوے۔

دسواں اجلاس

ابھیاسی اور شیو

سکل جوگ جپ تپ سدا سمجھو من کے بھائے　　جیسی من سے اوپجے ویسی ہی ہو جائے

ابھیاسی۔ ابھیاس کرتے مدت ہوگئی لیکن کوئی نتیجہ نہیں ہوا اور نہ کوئی فایدہ نظر آیا۔ اس کا سبب کیا ہے؟ شیو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ تم میں کمزوری ہے جسم میں کمزوری، دل میں کمزوری، خیال میں کمزوری، توجہ کی یکسوئی میں کمزوری اگر فایدہ ہوتا تو کیسے ہوتا؟ جہاں کمزوری ہوتی ہے فایدہ مشکل سے ہوتا ہے۔ اس میں کسی اور کا قصور نہیں ہے۔ اس میں خود تمہارا قصور نظر آتا ہے ابھیاسی۔ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ مجھ میں کمزوری ہے؟ شیو۔ تمہاری باتوں سے ظاہر ہے کہ تم کمزور ہو۔ جو خیال کسی کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ بغیر عملی جامہ پہنے ہوئے چین نہیں لیتا اور صاحب خیال کو کچھ کا کچھ بنا دیتا ہے۔ اگر تم کو اپنے خیال کے عملی جامہ پہنانے کا موقع ہاتھ نہیں آیا اور تم کو کچھ فایدہ نہیں ہوا تو اس سے صاف ثابت ہے کہ تم دل اور خیال کے سخت کمزور ہو۔ ابھیاسی۔ میں بلاناغہ ہر روز ابھیاس کرتا ہوں اس کا تو آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ شیو۔ اس کا تو ہم کو بھی پورا پورا یقین ہے۔ اس کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھیاسی۔ پھر کمی کس بات کی ہے جب کرم کیا

جاتا ہے تو اس کا کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور ہوتا ہے اور میرے کرم کا نتیجہ کچھ نہیں ہوا
شیو۔ نتیجہ تو ہو گیا تمہاری عادت پڑ گئی۔ وقت پر تم کو ابھیاس کا خیال روز آنے
خود بخود پیدا ہو آتا ہے۔ کسی کے یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی جس طور پر
تم ابھیاس کرتے ہو اس کا صرف اتنا ہی نتیجہ ہونا چاہئے۔ **ابھیاسی**۔ مثلاً
شیو۔ مثلاً آسن مارے کیا ہوا چھٹی نہ من کی آس
جوں تیلی کے بیل کو گھر ہی کوس پچاس

ابھیاسی۔ حقیقت میں آپ سچ فرماتے ہیں۔ بات یہی ہے مگر میں کیا کروں۔ میرا تو کچھ بس نہیں چلتا **شیو**۔ سنو۔ تم جس طرح ابھیاس کی طرف رجوع ہوئے ہو اسی طرح من کو یکسوئی کی طرف رجوع کرو۔ کام تم کو کرنا ہے کسی اور کو کرنا نہیں ہے جس طرح تم اور کام کرتے ہو اسی طرح یہ بھی کام کرو۔ ابھیاس کو دل دو اور اس کی لذت لو۔ جب اس کا رس آنے لگے گا پھر ترقی خود بخود ہوتی چلے گی ساری کمی لذت نہ ملنے کی ہے۔ من بڑا رسیا ہے اگر رس ملتا ہے تب وہ مخاطب ہوتا ہے اگر رس نہیں ملتا تو وہ روکھا پھیکا ہو کر اس کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔ **ابھیاسی**۔ یہ رس کیسے ملتا ہے؟ **شیو**۔ جب من اس میں لگ جاتا ہے تو یہ رس اس سے نکلتا ہے اور اگر یہ نہیں لگتا تو پھر ابھیاس کورس اور بدلذت معلوم ہونے لگتا ہے **ابھیاسی**۔ آپ کی باتیں بھی خوب ہی ہوتی ہیں ان سے کوئی سمجھے بھی تو کیا سمجھے۔ کبھی ادھر کبھی اُدھر **شیو**۔ یہ صرف تمہارا خیال ہے ہمارا قصور نہیں۔ کہنے کو لاکھ کہو ہم تم کو پتے پتے کی سنا دیتے ہیں۔ من مان جاتا ہے سچائی اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ یوں جو چاہے کہو۔

ابھیاسی۔ تو کیا یہ ابھیاس جو ہم کرتے ہیں بالکل خیالی ہے اور وہ خیال کے
رجوع ہونے سے اس میں رس ہوتا ہے۔ شیو۔ ساری بات خیال کی اور دل
کی ہے جس نے تم کو ابھیاس کی ھلکتی بتائی اس نے حقیقت میں خیال ہی
دلایا ہے اور اسی خیال کے اردگرد چکر لگانے کی تدبیر بتائی ہے جو یقین
لے کر سچے اعتقاد کے ساتھ کام کرتے ہیں ان کو جلد جلد اس کا نتیجہ دیکھنے
میں آتا ہے یقین پختہ ہو جاتا ہے اور یقین کی پختگی مختلف روحانی منازل
طے کراتی ہوئی ایک دن اصلیت کا تماشہ دکھا دیتی ہے اور ابھیاس کا پھل
مل جاتا ہے۔ ابھیاسی۔ تو کیا جو روحانی معاملات بتائے جاتے ہیں وہ
خیالی محض ہیں؟ شیو۔ یہاں تم غلطی میں پڑ گئے اور غلط فہمی کے شکار ہوئے
ہو۔ روحانی مقامات پر کیا مخصوص ہے۔ یہ سارا سنسار ہی خیالی ہے۔ مگر
جب خیال نے خاص قسم کی حالتیں بنالیں وہ سچی پرتیت ہوتی ہیں جیسے
اب تم یہاں بیٹھے ہو۔ اس مکان کو دیکھتے ہو ہم سے بات چیت کرتے ہو گو
ساری باتیں خیالی ہیں مگر تم ان کو خیالی نہیں کہتے۔ اسی طرح روحانی مقامات
کا حال ہے وہ ہیں ان کے ہونے میں شک نہیں ہے اور ابھیاس میں ابھیاسی
کو ان کے اندر اور ان میں سے گزرنا ہوتا ہے۔ وہ ویسے ہی دکھائی بھی دیتے
ہیں جیسا ان کی نسبت خیال دلایا گیا ہے۔ ابھیاسی۔ تو آپ کا یہ مطلب
ہے کہ میں خیال کو پختہ کر کے ابھیاس کروں تب کچھ اس کا نتیجہ ہوگا۔
شیو۔ ہاں وشواس کے ساتھ ابھیاس کرنے سے خیال میں خود بخود پختگی آتی
جائے گی۔ جس قدر تم اثبات و اقرار کے خیال کو دل دیتے جاؤ گے اسیقدر

ل کر رہے گی اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے خود بخود کامیابی کے جذبات
پنے اندر پیدا ہو کر راستہ صاف کرتے جائیں گے اور اس کو ان کو چین
ہ آئے گا جب تک کہ کامیابی کی آخری منزل طے نہ کر لی جائے گی۔ اگر تم
یں ہمت نہیں ہے خواہ بے دل اور بزدل ہو تو آہستہ آہستہ ابھیاس کرتے
ہوئے اس کمزوری کو مغلوب کرتے چلو۔ ناٹک کے تماشہ کرنے والوں کو دیکھو
ہ کیا کرتے ہیں جس شخص کا سانگ بھرتے ہیں۔ خیال کی تمام طاقت اسی
یں لگا دیتے ہیں اور دیکھنے والوں کی نگاہ میں وہ اصلی راجہ اصلی فقیر اور
صلی عاشق نظر آتے ہیں۔ دل چونکہ سانگ کے تمام ضروری خیالوں سے
بھر جاتا ہے اس لئے وہ جو کچھ کرتے ہیں اس میں سچائی معلوم ہونے لگتی
ہے اور دیکھنے والوں پر اس کا اثر پڑتا ہے اگر وہ روتے ہیں تو تماشائیوں
ی آنکھیں بھی ڈبڈبا آتی ہیں اگر وہ بہادری کی باتیں کرتے ہیں تو تماشائیوں میں
ی جوش پیدا ہو جاتا ہے وہی چال وہی چلن وہی بات وہی پن۔ اس وقت
کے لئے یہ تماشہ دکھانے والے سچے ہوتے ہیں اگر خیال میں وہ سچے نہ ہوں تو
اشہ دیکھنے والوں کو کبھی مزا نہ آئے اور نہ خود ان کو تماشہ دکھانے میں لذت
لے۔ لذت دونوں ہی کو ملتی ہے ورنہ پھر کون کام کرنے لگا تھا اس لئے یہ
ا گیا ہے کہ تم جو کچھ سوچتے ہو وہی ہو جاتے ہو جس خیال جس پیشہ جس
م اور جس بیوہار کے لئے دنیا میں تم نے تماشہ دکھانے کا سانگ بھرا ہے اس
ا سچا اترنے کی کوشش کرو ضرور کچھ نہ کچھ نتیجہ ہوگا۔ ساری کامیابی اپنے

اندر ہے ابھیاسی۔ آپ سچ فرماتے ہیں۔ میں اب اچھی طرح سمجھ گیا آیندہ جیت
کر ابھیاس کروں گا۔ شیو۔ بیشک! گو ابتدا میں دل کے ساتھ لڑائی کرنی
پڑے گی مگر کوئی ہرج نہیں کچھ عرصہ بعد آپ ہی آپ فتح نصیب ہوگی اور
ابھیاس کا آنند پراپت ہوگا مالک تمہیں کامیابی بخشے۔

گیارھواں اجلاس

رمز اشارے

لفظوں لفظوں میں حقیقت کا اشارہ ہو جائے
نام ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

ظاہری مذہب کا سنت مت کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں ہے فرق
صرف اس قدر ہے وہ جسم پرست ہے اور یہ روح پرست۔ وہ ظاہری باتوں
پر مرتا ہے اور یہ نور یزدانی کو مطلع الانوار ہر خاص و عام کے لئے باطنی اسرار
کے اظہار کے ساتھ کر دیتا ہے۔ کرم اور گیان، شریعت اور حقیقت سب
کی اپنی اپنی جگہ میں خاص حیثیت ہے۔ ایک کے بغیر دوسرے کی سمجھ بھی
مشکل ہے اور یہی وجہ ہے کہ سنت مت کے معتقد ظاہری مذاق پر حملہ
نہیں کرتے۔ اگر ظاہری مذہب کے پیروکار سنت مت کی مذمت کریں اور
اس کو لعنت ملامت کا نشانہ بنا دیں تو وہ کسی حد تک معاف کئے جا سکتے